کلمۃ الحدیث حافظ ندیم ظہیر

عشرۂ ذی الحجہ اور ہم

انسان کی زندگی میں بخشش ومغفرت کے کتنے ہی مواقع آتے ہیں جن کی وہ قدر نہیں کرتا اور پھر آہستہ آہستہ ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی قدر کھو دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انھیں ان کی اپنی جانیں بھلوا دیں یہی لوگ نافرمان ہیں۔[الحشر:۱۹]

یعنی اپنی نجات کی فکر سے غافل ہو گئے اور اس بنا پر گناہوں میں پڑے رہے اور عذابِ آخرت سے بچنے کے لئے نیک اعمال کی راہ اختیار نہیں کی۔[اشرف الحواشی ص۶۵۴]

ماہ رمضان (جو سارا مہینہ ہی رحمت ومغفرت کا ہے) کو گزرے ابھی زیادہ مدت نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالحجہ عطا فرما کر عظیم موقع فراہم کیا (کہ جس کے ابتدائی دس دن بہت زیادہ فضیلت کے حامل ہیں) تاکہ میرے بندے رہی سہی کسر ان ایام میں پوری کر کے میری محبت وقربت کے لئے مزید کوشاں ہوں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں کے مقابلے میں دوسرے کوئی ایام ایسے نہیں جن میں نیک عمل اللہ کو ان دنوں سے زیادہ محبوب ہو۔صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں۔سوائے اس مجاہد کے جو اپنی جان اور مال لے کر (جہاد کے لئے) نکلا اور پھر کسی چیز کے ساتھ واپس نہیں آیا (حتیٰ کہ شہید ہو گیا)۔[صحیح بخاری:۹۶۹]

ان دس دنوں میں کیا ہوا نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب ہے تو معلوم ہوا کہ یہ حصولِ محبتِ الٰہی کا بہترین ذریعہ بھی ہیں۔

ان ایام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا محاسبہ کیجئے اور وہ نیک اعمال جو ہم سے سہوًا یا قصدًا رہ جاتے ہیں ان کو اپنی زندگی کا جزوِ لازم بنائیں اور تمام قسم کی منکرات وخرافات جو ہم سے دانستہ یا نادانستہ سرزد ہوتی ہیں، ان سے مکمل احتراز کریں۔

یوم عرفہ کا روزہ: ۹ ذوالحجہ کو یوم عرفہ کہا جاتا ہے۔ اس دن کا روزہ ''سونے پہ سہاگا'' کے مترادف ہے۔ یعنی ایک تو ان دس ایام کی فضیلت دوسرا ان فضیلت والے دنوں میں بڑی فضیلت والا عمل سرانجام دینا۔

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفہ کے روزے کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ (روزہ) گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔

[صحیح مسلم:۱۹۶/۱۱۶۲]

سبحان اللہ! رب العزت کتنا غفور ورحیم ہے، ایک عمل سے روزہ رکھنے والے کے دو سال کے گناہ معاف فرما رہا ہے۔ اب بھی جو سستی وکوتاہی سے کام لے تو اس سے بڑھ کر کون بدبخت وبدنصیب ہوسکتا ہے؟ عرفہ کے روزے کے بارے میں تھوڑا سا اختلاف کیا جاتا ہے۔

بعض کے نزدیک روزہ عرفہ کے دن ہی رکھا جائے گا خواہ ملک کے حساب سے قمری تاریخ ۸ ہو یا ۹ کیونکہ حدیث میں یوم عرفہ کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ۹ ذوالحجہ ہی کو روزہ رکھا جائے گا کیونکہ اس حدیث کے علاوہ بھی ایک روایت ہے ((**كان رسول الله ﷺ يصوم تسع ذي الحجة**)) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو (۹) ذوالحجہ کو روزہ رکھتے تھے۔

[سنن ابی داود: ۲۴۳۷ و إسنادہ صحیح]

آخر الذکر قول راجح ہے۔ پھر بھی مذکورہ دونوں اقوال میں تطبیق کی صورت موجود ہے اور وہ یہ کہ دو روزے رکھ لئے جائیں۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل کما حقہ ہمیں اپنے دامن میں سمیٹنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ (آمین)

اضواء المصابیح حافظ زبیر علی زئی

عالمِ برزخ کا ایک مناظرہ

۸۰) وعن ابن عمر، قال: قال رسول الله ﷺ :
((کل شيء بقدرٍ حتی العجز والکیس .)) رواه مسلم
(سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز تقدیر سے ہے حتیٰ کہ عاجزی اور دانائی بھی تقدیر سے ہے۔
(صحیح مسلم: ۱۸/ ۲۶۵۵ و ترقیم دارالسلام: ۶۷۵۱)

فقہ الحدیث:
۱۔ عقیدۂ تقدیر برحق ہے۔
۲۔ ہر چیز اپنے وجود سے پہلے اپنے خالق اللہ تعالیٰ کے علم و مشیت میں ہے۔
۳۔ ہر مخلوق کو وہی چیز حاصل ہوتی ہے جو اس کی تقدیر میں لکھی ہوئی ہے۔
۴۔ یہ صحیح حدیث موطأ الامام مالک (روایۃ یحییٰ ۲/ ۸۹۹ ح ۱۷۲۸، روایۃ عبدالرحمٰن بن القاسم بتحقیقی: ۱۸۷) میں بھی موجود ہے اور امام مالک کی سند سے امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں روایت کی ہے۔
۵۔ موطأ امام مالک اور صحیح مسلم میں اس حدیث کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ طاؤس الیمانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر چیز تقدیر سے ہے۔''
۶۔ عاجزی سے مراد دنیاوی عاجزی یا بقولِ بعض: نافرمانی ہے اور دانائی سے مراد دنیاوی دانائی یا اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔ واللہ اعلم
۷۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' **العجز والکیس بقدر** ''

عاجزی اور دانائی تقدیر سے ہے۔ (کتاب القدر للامام جعفر بن محمد الفریابی: ۳۰۴ وسندہ صحیح)

۸۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تقدیر کے منکر کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہئے اور نہ اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے۔ (دیکھئے کتاب السنۃ للخلال: ۹۴۸ وسندہ صحیح)

۸۱) **وعن أبي هريرة ، قال:قال رسول اللّٰه ﷺ :**

((احتج آدم وموسٰى عند ربهما ، فحج آدم موسٰى ؛ قال موسٰى : أنت آدم الذي خلقك اللّٰه بيده ، ونفخ فيك من روحه ، وأسجد لك ملائكته، وأسكنك في جنته، ثم أهبطت الناس بخطيئتك إلى الأرض؟ قال آدم أنت موسى الذي اصطفاك اللّٰه برسالته وبكلامه، وأعطاك الألواح فيها تبيانُ كل شئ ، وقربك نجياً ، فبكم وجدت اللّٰه كتب التوراة قبل أن أخلق؟ قال موسٰى :بأربعين عاماً. قال آدم : فهل وجدت فيها " وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى " ؟ قال :نعم، قال: أَفتلومُني علٰى أن عملتُ عملاً كتبه اللّٰه عليَّ أن أعمله قبل أن يخلقني بأربعين سنة؟ قال رسول اللّٰه ﷺ فحجَّ آدمُ موسٰى .)) رواه مسلم

(سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے رب کے پاس (آسمانوں پر عالمِ ارواح میں) بحث و مباحثہ کیا تو آدم (علیہ السلام) موسیٰ (علیہ السلام) پر غالب ہوئے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے (آدم علیہ السلام سے) کہا: آپ وہ آدم ہیں جنھیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی (پیدا کردہ) روح پھونکی اور آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ کو اپنی جنت میں بسایا پھر آپ نے اپنی غلطی کی وجہ سے لوگوں کو (جنت سے) زمین پر اُتار دیا؟

آدم (علیہ السلام) نے فرمایا: تم وہ موسیٰ ہو جسے اللہ نے اپنی رسالت اور کلام کے ساتھ چُنا اور تختیاں دیں جن میں ہر چیز کا بیان ہے اور تمھیں سرگوشی کے لئے (اللہ نے) اپنے قریب کیا، پس تمھارے نزدیک میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے اللہ نے تورات لکھی؟

موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا: چالیس سال پہلے۔
آدم (علیہ السلام) نے فرمایا: کیا تم نے اس میں یہ لکھا ہوا پایا ہے کہ ''اورآدم نے اپنے رب کے حکم کوٹالا تو وہ پھسل گئے '' ؟
موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا: جی ہاں، (آدم علیہ السلام نے) کہا: کیا تم مجھے اس عمل پر ملامت کرتے ہو جو میری پیدائش سے چالیس سال پہلے اللہ نے میری تقدیر میں لکھ دیا تھا؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس آدم (علیہ السلام) موسیٰ (علیہ السلام) پر غالب ہوئے۔
(صحیح مسلم:۲۶۵۲/۱۵[۶۷۴۴])

فقہ الحدیث:

۱۔ آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان یہ بحث و مباحثہ اور مناظرہ عالمِ برزخ میں آسمانوں پر ہوا تھا۔ ایک دفعہ محدث ابو معاویہ محمد بن خازم الضریر (متوفی ۱۹۵ھ) نے اس مناظرے والی ایک حدیث بیان کی تو ایک آدمی نے پوچھا: آدم اور موسیٰ علیہما السلام کی ملاقات کہاں ہوئی تھی؟ یہ سن کر عباسی خلیفہ ہارون الرشید رحمہ اللہ سخت ناراض ہوئے اور اس شخص کو قید کر دیا۔ وہ اس شخص کے کلام کو ملحدین اور زنادقہ کا کلام سمجھتے تھے۔
(دیکھئے کتاب المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی ۱۸۱/۲، ۱۸۲ وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ۲۴۳/۵ وسندہ صحیح)
معلوم ہوا کہ حدیث کا مذاق اڑانا ملحدین اور زنادقہ کا کام ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا (دیکھئے سورۃ صٓ:۷۵) جیسا کہ اس کی شان و جلالت کے لائق ہے۔

اللہ کا ہاتھ اس کی صفت ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہاں ہاتھ سے مراد قدرت لینا سلف صالحین کے فہم کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔ امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب، غیر ثابت کتاب ''الفقہ الاکبر'' میں لکھا ہوا ہے کہ

'' فماذكره اللّٰه تعالٰى فى القرآن من ذكر الوجه واليد والنفس فهوله صفات بلاكيف ولا يقال إن يده قدرته أو نعمته لأن فيه إبطال الصفة

وهو قول أهل القدر والإعتزال ولكن يده صفته بلاكيف "

''اوراس کے لئے ہاتھ منہ اور نفس ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے لیکن ان کی کیفیت معلوم نہیں ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ید سے قدرت اور نعمت مراد ہے کیونکہ ایسا کہنے سے اس کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ منکرینِ تقدیر اور معتزلہ کا مذہب ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ہاتھ اس کی مجہول الکیفیت صفت ہے۔''

(الفقہ الاکبر مع شرح ملا علی قاری ص ۳۶، ۳۷، البیان الازہر، اردو ترجمہ صوفی عبدالحمید سواتی دیوبندی ص ۳۲)

مجہول الکیفیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے۔

تنبیہ: یہ حوالہ اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ حنفی وغیر حنفی علماء کا ایک گروہ اس کتاب کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تصنیف مانتا ہے۔ دیکھئے مقدمۃ البیان الازہر از قلم محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی (ص ۱۶ تا ۲۳)

سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں:

''غرضیکہ فقہ اکبر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کی تصنیف ہے لَا رَیْبَ فِیْهِ''

(مقدمۃ البیان الازہر ص ۲۳)

اس دیوبندی '' لَا رَیْبَ فِیْهِ '' کتاب کا راوی ابومطیع الحکم بن عبداللہ البلخی جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہے۔ اس کے بارے میں امام اہلِ سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

''**لا ينبغي أن يروى عنه .. شئ**'' اس سے کوئی چیز بھی روایت نہیں کرنی چاہئے۔

(کتاب العلل ۲/۲۵۸ ت ۱۸۶۴)

اسماء الرجال کے جلیل القدر امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا:

''**وأبو مطيع الخراساني ليس بشيءٍ**'' اور ابومطیع الخراسانی کچھ چیز نہیں ہے۔

(تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۴۷۶۰)

ان کے علاوہ دوسرے محدثین مثلاً امام نسائی، ابوحاتم الرازی اور حافظ ابن حبان وغیرہم نے اس پر جرح کی ہے۔ متاخرین میں سے حافظ ذہبی ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''فهذا وضعه أبو مطيع على حماد''پس اس کو ابومطیع نے حماد (بن سلمہ) پر گھڑا ہے۔
(میزان الاعتدال ۴۲/۳)

معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی کے نزدیک ابومطیع مذکور وضاع (جھوٹا، حدیثیں گھڑنے والا) تھا۔اس جرح کے باوجود بعض الناس کا ''الفقه الأكبر''نامی رسالے کو''لَارَيْبَ فِيْهِ'' کہنا انتہائی عجیب وغریب ہے۔

۳۔ تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے۔

۴۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ''ابھی تک جنت پیدا نہیں ہوئی'' ان کا قول باطل و مردود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا تھا۔ اہلِ سنت کے نزدیک جنت اور جہنم دونوں پیدا شدہ ہیں اور دونوں ہمیشہ رہیں گی اور یہی عقیدہ حق ہے۔

۵۔ غلطی اور گناہ کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں:

اول: جو غلطی اور گناہ کرنے کے بعد سچے دل سے توبہ کرتے ہیں اور سخت پشیمان و نادم ہوتے ہیں اور آئندہ اصلاح کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

دوم: جو غلطی اور گناہ کرنے کے بعد بھی اسی پر ڈٹے رہتے ہیں، توبہ نہیں کرتے اور نہ نادم و پشیمان ہوتے ہیں اور نہ اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔

اول الذکر کے لئے تقدیر سے استدلال کرنا جائز ہے اور ثانی الذکر کے لئے تقدیر سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے شفاء العلیل لابن القیم (ص ۳۵، ۳۶) وشرح حدیث جبریل (عربی ص ۶۵۔۶۷، اردو ص ۱۰۴ تا ۱۰۷)

جو شخص گناہ اور کفر کرنے کے بعد توبہ نہیں کرتا اور پھر تقدیر سے استدلال کرتا ہے تو یہ طریقہ مشرکین و کفار کا ہے۔ دیکھئے سورۃ الانعام (آیت:۱۴۸) اور سورۃ النحل (آیت:۳۵)

۶۔ صحیح مسلم والی یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی مختصراً موجود ہے۔ (ح ۳۴۰۹، ۴۷۳۶، ۷۵۱۵)

۷۔ بحث و مباحثہ میں فریقِ مخالف کے خلاف وہ دلیل پیش کرنا جسے وہ صحیح و برحق تسلیم کرتا ہے، بالکل صحیح ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر منکرینِ حدیث کے حملے

سوال: ایک صاحب کی زبانی واقعہ سننے کا اتفاق ہوا: ''ایک دن مسجد نبوی کے صحن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے اور کچھ حاضرین کو کوئی حدیث بیان کر رہے تھے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو کہنے لگے: ابو ہریرہ! جو بات آپ بیان کر رہے ہیں، جب یہ واقع رونما ہوا اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور یہ بات ہرگز ایسے نہ تھی، آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غلط بات منسوب کرتے ہوئے خدا کا خوف محسوس نہ ہوا اور اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں (عمر) اس کی گردن مار دیتا'' **العیاذ باللہ**

کیا یہ واقعہ صحیح ثابت ہے؟

ساتھ ہی گفتگو کے دوران اُن صاحب نے اس بات کا بھی اضافہ کیا کہ

''ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے دریافت کیا: اب آپ بہت سی احادیث روایت کرتے ہیں جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ایسا نہیں تھا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اس وقت مجھے اپنی گردن ماری جانے کا خوف تھا۔''

کیا یہ واقعات صحیح ہیں؟ (فخر الحسن گیلانی، راولپنڈی ۲۱ نومبر ۲۰۰۶ء)

الجواب:

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰة والسلام علیٰ رسولہ الأمین ، أما بعد:

یہ واقعہ بے سند ہونے کی وجہ سے موضوع اور باطل ہے۔ مجھے کسی کتاب میں یہ واقعہ باسند صحیح نہیں ملا۔ اس بے اصل قصے کے سراسر برعکس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔ اس کی دلیل کے طور پر صحیح احادیث سے دو حوالے پیشِ خدمت ہیں:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

① سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جو کھال پر سوئی سے گود کر لکھتی تھی تو عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور (صحابۂ کرام سے) فرمایا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم میں سے کسی نے نبی ﷺ سے سوئی سے گودنے کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور کہا: اے امیر المومنین! میں نے سنا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا سنا ہے؟ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
((لا تَشِمْنَ وَلَا تَسْتَوْ شِمْنَ .)) گودنے کا کام نہ کرو اور نہ کسی سے گدواؤ۔ (صحیح بخاری:۵۹۴۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کے بارے میں پوچھنا اور اس پر اعتراض نہ کرنا اس کی واضح دلیل ہے کہ وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سچا اور قابلِ اعتماد سمجھتے تھے۔

② ایک دفعہ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے کہ وہاں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گزرے تو انھوں نے سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کو گوشۂ چشم سے (غصے کے ساتھ) دیکھا۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تو اس وقت بھی مسجد میں اشعار پڑھتا تھا جب اس میں آپ سے بہتر شخص سیدنا رسول اللہ ﷺ موجود ہوتے تھے پھر انھوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ((أَجِبْ عَنِّيْ، اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ .))
میری طرف سے جواب دو، اے اللہ! اس (حسان) کی روح القدس کے ذریعے سے مدد فرما؟
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں۔ (صحیح مسلم:۲۴۸۵/۱۵۱[۶۳۸۴])

③ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''يا أبا هريرة ! أنت كنت ألزمنا لرسول الله ﷺ وأحفظنا لحديثه''

اے ابو ہریرہ! آپ ہم میں سے رسول اللہ ﷺ کے پاس سب سے زیادہ رہتے تھے اور آپ ﷺ کی حدیث کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے تھے۔

(سنن الترمذی:٣٨٣٦ وسندہ صحیح، وقال الترمذی: ''ھذا حدیث حسن''، وصححہ الحاکم ٣/٥١٠، ٥١١ ح ٦١٦٧ ووافقہ الذہبی)

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو (حجۃ الوداع میں) منادی کرنے والا بنا کر بھیجا تھا۔ (صحیح بخاری:٣٦٩)

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا مقام تھا۔ یاد رہے کہ اس حج میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو منادی کرنے والا بنا کر بھیجا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے بارے میں پوچھا گیا پس انھوں نے فرمایا:

''صدق أبو هريرة'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے۔ (طبقات ابن سعد ٤/٣٣٢ وسندہ صحیح)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔

(التاریخ الصغیر للبخاری ص ٥٥ دوسرا نسخہ ١/١٢٨، ١٢٩ وسندہ صحیح، ابن وہب رواہ عن ابن جریج والراوی عنہ ابن صالح أو ابن عیسیٰ المصری وکلاھما ثقتان)

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے اللہ! ابو ہریرہ اور اس کی ماں کو اپنے مومن بندوں کا محبوب بنا دے۔ (صحیح مسلم:١٥٨/٢٤٩١[٦٣٩٦])

یہ دعا قبول ہوئی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہر مومن جو میرے بارے میں سن لیتا ہے تو بغیر دیکھے ہی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح مسلم:٢٤٩١ نحو المعنیٰ)

خلاصۃ التحقیق: یہ ساری روایات اور دیگر احادیثِ صحیحہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ

مسئولہ بالا قصہ بے اصل اور موضوع ہے۔

دوسرا قصہ: گردن ماری جانے کا خوف

یہ قصہ بھی بے اصل اور موضوع ہے۔اس سلسلے میں چند دیگر روایات کی تحقیق درج ذیل ہے:

۱۔ محمد بن عجلان سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے تھے: میں ایسی حدیثیں بیان کرتا ہوں ، اگر میں عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں یہ حدیثیں بیان کرتا تو آپ میرا سر (مار مار کر) زخمی کردیتے۔ (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۱۱۰/۸، وسیر اعلام النبلاء للذہبی ۶۰۱/۲)

عبداللہ بن وہب المصری رحمہ اللہ سے نیچے سند غائب ہونے کے ساتھ ساتھ یہ روایت سخت منقطع ہے۔ دیکھئے الانوار الکاشفہ (ص ۱۵۵) ابن عجلان مدلس بھی تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین لابن حجر (۹۸/۳، المرتبۃ الثالثۃ) ومشکل الآثار للطحاوی (۱۰۰/۱، ۱۰۱)

۲۔ صالح بن ابی الاخضر عن الزہری عن ابی سلمۃ کی سند سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ہم عمر (رضی اللہ عنہ) کی وفات سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان نہیں کرسکتے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ ۱۱۰/۸)

یہ سند ضعیف ومردود ہے۔صالح بن ابی الاخضر: ''**ضعیف یعتبر به**'' ہے۔ (التقریب:۲۸۴۴)

امام زہری مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین (۱۰۲/۳، المرتبۃ الثالثۃ) اور شرح معانی الآثار للطحاوی (۵۵/۱ باب مس الفرج)

صالح بن ابی الاخضر سے نیچے والی سند یہاں غائب ہے اور سیر اعلام النبلاء (۶۰۲/۲) میں اس کا صالح سے راوی یزید بن یوسف الرحبی ضعیف ہے لہٰذا یہ سند صالح سے بھی ثابت نہیں ہے۔

۳۔ بغیر سند کے ''**محمد بن یحیی الذهلي :ثنا عبدالرزاق عن معمر عن الزهري**'' کی سند سے مروی ہے کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں عمر (رضی اللہ عنہ) کی زندگی میں یہ حدیثیں بیان نہیں کرسکتا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میری پیٹھ پر کوڑا برسے گا۔

(البدایۃ والنہایۃ ۱۱۰/۸)

یہ روایت کئی وجہ سے مردود ہے:① امام زہری نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا۔ ان کی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت منقطع ہوتی ہے۔ دیکھئے الاتحاف المہر ۃ لابن حجر (۱۵/۵۹۰) وتحفۃ التحصیل فی ذکر رواۃ المراسیل للعراقی (ص۲۸۹) وجامع التحصیل (ص۲۶۹)

② امام زہری کی تدلیس کے علاوہ امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی رحمہ اللہ بھی مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین (۲/۵۸، المرتبۃ الثانیۃ، صحیح یہ ہے کہ وہ مرتبۂ ثالثہ سے ہیں) وکتاب الضعفاء للعقیلی (۳/۱۱۰، ۱۱۱ وسندہ صحیح)

صرف یہ روایت ثابت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:
تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (کثرت سے) حدیث بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ میں تمھیں (تمھارے قبیلے) دوس میں بھیج دوں گا۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۱۴۷۵، وسندہ صحیح)

یہ روایت اس پر محمول ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کثرت سے احادیث بیان کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ تاکہ لوگ فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ (دیکھئے البدایۃ والنہایۃ ۸/۱۱۰)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح دوسرے صحابہ کو بھی منع کیا تھا کہ کثرت سے حدیثیں بیان نہ کریں۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء للذہبی (۲/۶۰۱)

اس فاروقی اجتہاد کے مقابلے میں دیگر صحابہ مثلاً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ وغیرہم کثرت سے صحیح احادیث بیان کرتے تھے اور جمہور صحابہ کا یہی طرزِ عمل راجح ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے عظیم حافظے کا ایک صحیح واقعہ

ابو زعیزعہ کاتبِ مروان سے روایت ہے کہ مروان بن الحکم نے (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو بلایا اور (حدیثیں) پوچھنے لگا۔ مروان نے مجھے پردے کے پیچھے بٹھا رکھا تھا تاکہ میں (یہ حدیثیں) لکھوں۔ اگلے سال مروان نے (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو دوبارہ بلایا اور ان احادیث کے بارے میں پوچھنے لگا۔ اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں لکھی

ہوئی کتاب کو دیکھتا رہوں۔ میں نے دیکھا کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے ایک حرف کا بھی فرق نہیں کیا۔ (الاشراف علیٰ مناقب الاشراف لابن ابی الدنیا ص ۱۵۷، ۱۵۸ ح ۳۱۱ وسندہ حسن، المستدرک للحاکم ۳/ ۵۱۰ ح ۶۱۶۴ وقال: ''ھٰذا حدیث صحیح الاسناد'' وقال الذہبی: ''صحیح'')

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے کیسا عظیم الشان حافظہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔!

تنبیہ: حاکم اور ذہبی کی توثیق بذریعۂ تصحیح حدیث کے بعد ابوزعیزعہ کو مجہول کہنا غلط ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک عظیم الشان کرامت

قاضی ابو الطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم جامع منصور میں ایک حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک خراسانی نوجوان آیا تو اس نے جانور کے تھنوں میں دودھ روکنے کے مسئلے کے بارے میں پوچھا اور دلیل کا مطالبہ کیا تو ایک استدلال کرنے والے (محدث) نے اس مسئلے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث پیش کی تو وہ خبیث نوجوان بولا: ''أبو هريرة غير مقبول الحديث'' ابوہریرہ کی حدیث مقبول نہیں ہے۔ قاضی ابوالطیب نے فرمایا: اس نوجوان نے اپنی بات پوری نہیں کی تھی کہ اتنے میں جامع مسجد کی چھت سے ایک بہت بڑا سانپ گر پڑا تو لوگ بھاگنے لگے اور وہ نوجوان بھی اس سانپ کے آگے بھاگنے لگا۔ بعد میں یہ سانپ غائب ہو گیا۔ (المنتظم لابن الجوزی ۱۷/ ۱۰۶ وسندہ صحیح)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی محبت سے بھر دے۔ آمین

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لئے علمائے حق نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے درج ذیل دو کتابیں انتہائی اہم ہیں:

① دفاع عن ابی ہریرۃ (تصنیف عبدالمنعم صالح العلی العزی)

② الانوار الکاشفۃ (ص ۱۴۰ تا ۲۲۸، تصنیف الشیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی رحمہ اللہ)

فائدہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سات سو سے زیادہ راویوں نے حدیث بیان کی ہے۔ دیکھئے دفاع عن ابی ہریرۃ (ص ۲۷۳ تا ۳۱۴) اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ سو سے زیادہ راویوں

نے ان سے روایت بیان کی ہے۔ (۲۴ نومبر ۲۰۰۶ء)

بیت الخلا اور انگوٹھی اُتارنا

سوال: ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ جب بیت الخلا میں داخل ہوتے تو اپنی انگوٹھی (جس پر **محمد رسول اللہ** لکھا ہوا تھا۔ ﷺ) اُتار دیتے تھے۔

کیا یہ روایت صحیح ہے؟ (طارق مجاہد یزمانی ۱۱/۴/۱۴۲۷ھ)

الجواب: بیت الخلا جانے سے پہلے انگوٹھی اُتارنے والی روایت درج ذیل سند سے مروی ہے: ''**همام عن ابن جريج عن الزهري عن أنس**'' **رضي الله عنه**

(سنن ابی داود: ۱۹، وقال: ''هٰذا حديث منكر'' سنن الترمذی: ۱۷۴۶، وقال: ''هٰذا حديث حسن صحيح غريب'' الشمائل للترمذی: ۹۳ سنن النسائی ۱۷۸/۸ ح ۵۲۱۶، سنن ابن ماجہ: ۳۰۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ۹۵/۱ وقال: ''وهٰذا شاهد ضعيف والله أعلم'' أي حديث همام، اخبار اصبہان ۱۱۱/۲)

ابن جریج مشہور مدلس ہیں۔ دیکھئے طبقات المدلسین (۳/۸۳) وتقریب التہذیب (۴۱۹۳) وجامع التحصیل (ص ۱۰۸) وکتاب المدلسین لابی زرعۃ ابن العراقی (۴۰) والمدلسین للسیوطی (۳۶) وسوالات الحاکم النیسابوری للدارقطنی (۲۶۵) وعلل الحدیث لابن ابی حاتم (۲۰۷۸) وسوالات البرذعی (ص ۷۴۳ قول ابی مسعود احمد بن الفرات)

ابن جریج مدلس کی یہ روایت عـــن سے ہے اور عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ (غیر صحیحین میں) مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

ابن جریج کی تدلیس کے باوجود امام ترمذی کا اسے ''حسن صحیح غریب'' کہنا عجیب وغریب ہے۔ حافظ منذری کا ''**رواتــه ثقــات أثبــات**'' کی وجہ سے اسے صحیح کہنا بھی نا قابلِ فہم ہے۔ مدلس کے عن اور عدم تصریحِ سماع کے باوجود اس کی ''تصحیح'' کیونکر صحیح ہوسکتی ہے؟

اگر کسی شخص کو اس روایت میں ابن جریج کے سماع کی تصریح مل گئی ہے تو باحوالہ پیش کرے ورنہ اس روایت سے استدلال کرنا مردود ہے۔ (۱۱/۴/۱۴۲۷ھ)

مصنف: الشیخ ابوعبدالرحمٰن الفوزی مترجم: محمد صدیق رضا

غیر ثابت قصے

تینتیسواں (۳۳) قصہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک شادی (کی تقریب) کا قصہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:
میں نے کبھی اُس چیز کا ارادہ نہیں کیا جس کا اہلِ جاہلیت ارادہ کرتے تھے۔ زندگی میں دو بار کے علاوہ، دونوں ہی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بچالیا۔

ایک دن میں نے اپنے ایک قریشی جوان ساتھی سے کہا، جو بالائی مکہ میں میرے ساتھ اپنی بکریاں چراتا تھا: تم میری بکریوں کا خیال رکھو، میں آج رات مکہ میں جاگ کر گزاروں گا جیسا کہ نوجوان جاگتے رہتے ہیں، تو میرے ساتھی نے کہا: جی ہاں، ٹھیک ہے۔ پھر میں نکلا، جب میں مکہ کے گھروں میں سے ایک قریبی گھر کے پاس پہنچا پس میں نے گانے بجانے کی آواز سنی تو میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے بتلایا کہ فلاں قریشی آدمی کی فلاں عورت سے شادی ہوئی ہے۔ میں اس گانے اور آواز کی طرف مائل ہوا تو مجھ پر نیند غالب آ گئی اور مجھے کسی چیز نے نہیں جگایا سوائے سورج کی تپش کے، پھر میں لوٹ گیا تو میں نے اس قسم کی آوازیں سنیں اور مجھ سے وہی کہا گیا جو پہلے کہا گیا تھا۔ میں اس آواز کی طرف مشغول ہوا ہی تھا کہ مجھ پر نیند غالب آئی میری آنکھ لگ گئی اور مجھے نہیں جگایا مگر سورج کی تپش نے پھر میں اپنے ساتھی کی طرف لوٹ گیا، اس نے کہا کہ آپ نے کیا کیا؟ میں نے بتلایا کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم اس کے بعد دوبارہ کبھی میں نے اس کا ارادہ نہیں کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شرفِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔

(یہ منکر روایت ہے)

تخریج: حاکم (ج۴ص۲۴۵) دیلمی (مسند الفردوس ج۴ص۹۰) بزار (مسند البزار ج۲

ص۲۴۱)ابن راہویہ(المسند بحوالہ المطالب العالیہ ق۱۲/ط)الفاکہی (تاریخ مکہ ج۳ص۲۱) ابن جریر(التاریخ ج۱ص۵۲۰)ابن حبان (صحیح ابن حبان ج۸ص۵۶ ح۶۲۳۹ دوسرا نسخہ: ۶۲۷۲)ابونعیم (دلائل النبوۃ ص۱۸۶)بیہقی (دلائل النبوۃ ج۲ص۱۳۳) بخاری (التاریخ الکبیر ج۱ص۱۳۰)اورابنِ اسحٰق نے''السیرۃ''(ص۵۸)میں''**محمد بن عبدالله بن قيس بن مخرمة عن الحسن بن محمد بن علي عن أبيه عن جده علي بن أبي طالب**'' کی سند سے یہ قصہ بیان کیا۔

جرح: اس کی سند ضعیف ہے اس میں محمد بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ مجہول ہے۔

حوالہ: دیکھئے ابن ابی حاتم کی الجرح والتعدیل (ج۷ص۳۰۳) تقریب التہذیب (۶۰۴۴ وقال:مقبول)اورتہذیب الکمال(ج۲۵ص۵۳۳)

حاکم نے کہا کہ''یہ حدیث صحیح ہے۔''اور ایسا نہیں ہے جیسا کہ انھوں نے کہا اگرچہ ذہبی نے ان کی موافقت بھی کی ہے جیسا کہ اس کی سند پر کلام میں گزر ا ہے۔

اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (ج۲ص۲۸۷) میں اس حدیث کو لانے کے بعد فرمایا: یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ [دیکھئے ص۱۸]

ایک شاہد: اس کا ایک شاہد ہے:طبرانی نے المعجم الصغیر(ج۲ص۱۳۸)میں''**محمد بن إسحٰق بن إبرهيم الفارس :حدثنا أبي :حدثنا سعد بن الصّلت :حدثنا مسعر ابن كدام عن العباس بن خديج عن زياد بن عبدالله العامري عن عمار بن ياسر**'' کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔

علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (ج۸ص۲۲۶) میں فرمایا: اسے طبرانی نے روایت کیا تینوں کتابوں (المعجم الکبیر، المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر) میں اور اس کی سند میں کچھ ایسے راوی ہیں جنھیں میں نہیں پہچانتا الخ لہٰذا اس کی سند ساقط ہے اور البانی نے فقہ السیرۃ (ص۹۵) میں اپنی تعلیق میں فرمایا:اس کی سند میں ایک جماعۃ ہے جسے میں نہیں جانتا۔

عرضِ مترجم: صحیح مسلم شریف میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کا واقعہ

بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ ایک دن بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ اسی دوران میں جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور آپ کو سیدھا لٹا دیا پھر (سینہ چاک کرکے) آپ کے بابرکت قلب کو نکالا اور اس کو چیرا پھر اُس میں سے خون کی ایک پھٹکی نکالی اور فرمایا کہ یہ شیطان کا حصہ تھا۔ پھر سونے کے ایک طشت پر آبِ زم زم سے آپ کے مبارک دل کو دھویا پھر اُسے جوڑا اور اپنے مقام پر رکھ دیا۔ بچے یہ واقعہ دیکھ کر دوڑتے ہوئے آپ ﷺ کی (رضاعی) والدہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا گیا۔ (یہ سن کر) وہ سب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اس وقت آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس کی رنگت بدلی ہوئی تھی، سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے مبارک سینہ میں سلائی کے نشان دیکھا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء، ج۱ص۹۲ ح۱۶۲)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت میں تھے، لہو ولغو امور کی طرف ایک لمحہ بھی آپ کا دھیان نہیں گیا، آپ ہمیشہ معصوم رہے جیسا کہ بکثرت دلائل سے ثابت ہوتا ہے۔

[تنبیہ: محمد بن عبداللہ بن قیس والی یہ سند حسن ہے۔ محمد بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ کو ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے ثقہ قرار دیا ہے اور ایک جماعت نے اس سے روایت لی ہے لہٰذا وہ حسن الحدیث ہے۔ فوزی صاحب کا اس روایت کو ضعیف قرار دینا غلط ہے بلکہ حق یہی ہے کہ یہ روایت حسن ہے۔]

چونتیسواں (۳۴) قصہ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک قصہ

ابوجعفر سے روایت ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اُن کی بیٹی کا رشتہ مانگا تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ چھوٹی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ بڑی ہو گئی ہیں، پس آپ بار بار اس سلسلے میں گفتگو فرماتے تو علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ہم انھیں آپ کے پاس بھیج دیتے ہیں۔

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اُن (علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی) کی پنڈلی پر سے کپڑا اٹھایا، تو اس نے کہا: کپڑا

چھوڑ دیجئے اگر آپ امیر المومنین نہ ہوتے تو میں آپ کی آنکھیں پھوڑ ڈالتی۔

تخریج: یہ روایت سعید بن منصور (سنن سعید بن منصور ج ا ص ۱۴۷ ح ۵۲۱) اور عبدالرزاق (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۱۶۳ ح ۱۰۳۵۲) نے '' سفیان عن عمرو بن دینار عن أبي جعفر قال '' کی سند سے بیان کی ہے۔

جرح: اس کی سند انقطاع (منقطع ہونے) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس لئے کہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ حوالے کے لئے دیکھئے ابن ابی حاتم کی المراسیل (۱۴۹)

اور عبدالرزاق نے المصنف (ج ۶ ص ۱۶۳ ح ۱۰۳۵۳) میں '' ابن جریج قال : سمعت الأعمش یقول: '' کی سند سے یہ قصہ بیان کیا ہے۔

اس کی سند بھی سابقہ سند کی طرح ضعیف ہے اس لئے کہ سلیمان بن مہران الاسدی کی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔

عرض مترجم: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر غیور صحابی قطعاً ایسا نہیں کر سکتے اور معلوم نہیں کہ ابوجعفر نے کس سے یہ بات سنی تھی؟

باقی یہ بات درست ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما کا رشتہ بھی مانگا اور علی رضی اللہ عنہ نے اسے قبول بھی فرمایا اور اپنی لختِ جگر کا نکاح امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے کر دیا جیسا کہ بالاتفاق مروی ہے۔

قبلہ کی طرف تھوکنے کی ممانعت

سید تنویر حسین شاہ

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' مَنْ صَلّٰی فَبَزَقَ تُجَاهَ الْقِبْلَةِ جَآءَ تْ بَزْقَتُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِيْ وَجْهِهٖ '' جو شخص نماز پڑھے پس قبلے کی طرف تھوکے، قیامت کے دن اس کا تھوک اس کے چہرے پر (لگا ہوا) ہوگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۶۵/۲ ح ۷۴۵۵ وسندہ صحیح)

اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے زبردست تنبیہ اور لمحۂ فکریہ ہے جو قبلہ رخ تھوکنے سے گریز نہیں کرتے۔

حافظ زبیر علی زئی

عبادات میں بدعات اور سنت سے ان کا رد

بغیر کسی ضرورت کے دوبارہ وضو کرنا

اس عمل کے مستحب ہونے کے بارے میں بعض لوگ ایسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کی کوئی اصل نہیں ہے، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ

((اَلْوُضُوْءُ عَلَی الْوُضُوْءِ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ)) وضو پر وضو کرنا نور پر نور ہے۔

(حافظ) عراقی کہتے ہیں: ''مجھے اس روایت کی اصل نہیں ملی۔'' ان سے پہلے یہی بات منذری نے کہی ہے۔ (حافظ) ابن حجر نے کہا: ''اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے رزین نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔'' (المقاصد الحسنۃ للسخاوی: ۱۲۶۴۔ اتحاف السادۃ المتقین للمرتضٰی الزبیدی ۲/ ۳۷۵)

(حافظ) ابن حجر نے اس کی کوئی سند بیان نہیں کی جس سے ہم اس کی اصل پر مطلع ہو جاتے، تاہم اس حدیث پر موضوع روایات کے آثار ظاہر ہیں۔

بعض لوگوں کی دلیل ایک دوسری حدیث ہے کہ ((مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰی طُهْرٍ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ)) جس نے وضو پر وضو کیا اللہ اس کے لئے دس نیکیاں لکھے گا۔

(سنن ابی داود: ۶۲، سنن ترمذی: ۵۹ وقال: ''وھو إسناد ضعیف'' سنن ابن ماجہ: ۵۱۲، اس کی سند الافریقی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے)

یہ حدیث (ضعیف و) منکر ہے اس سے دلیل پکڑنا غلط ہے اس کا کوئی (معتبر) متابعت کرنے والا بھی نہیں ہے اور فضائلِ اعمال میں بھی اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا دارومدار عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم (الافریقی) پر ہے جو حدیث میں ضعیف تھا اور منکر روایات بیان کرتا تھا اور یہ روایت بھی ان منکر روایات میں سے ہے۔ اس کا دوسرا راوی ابوغطیف الہذلی مجہول الحال ہے۔ (امام) ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

سنن ترمذی (۵۸) کی ایک دوسری روایت میں آیا ہے: ''انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے، چاہے آپ کا پہلے سے وضو ہوتا یا نہ ہوتا۔''

حمید الطّویل کہتے ہیں: میں نے انس سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کرتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''ہم ایک وضو سے (وضو ٹوٹنے سے پہلے پہلے) ساری نمازیں پڑھ لیتے تھے۔'' امام ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے لیکن اس کی سند ضعیف و منکر ہے۔ محمد بن اسحاق بن یسار مدلس ہے اور ''عــن'' سے روایت کررہا ہے۔ اس روایت میں امام ترمذی کا استاد محمد بن حمید الرازی ضعیف ہے بلکہ بعض علماء نے اسے جھوٹا بھی قرار دیا ہے۔ یہ روایت اس صحیح روایت کے خلاف ہے جس میں انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے۔'' (عمرو بن عامر الانصاری نے کہا:) میں نے پوچھا، آپ (انس رضی اللہ عنہ) کیا کرتے تھے؟ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''ہم ساری نمازیں وضو ٹوٹنے سے پہلے ایک وضو سے پڑھتے تھے۔'' (صحیح بخاری:۲۱۴)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام وضو پر وضو کرنے کا تکلف نہیں کرتے تھے بلکہ اگر وضو ٹوٹ جاتا تو پھر وضو کرتے تھے اور رہا یہ مسئلہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے لیے وضو کیا ہے تو یہ عمومی عمل ہے کیونکہ سوید بن النعمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر اور مغرب کی نماز ایک ہی وضو سے پڑھی ہے۔ (صحیح بخاری:۲۱۵)

پہلی حدیث زیادہ سے زیادہ اباحت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ استحباب پر، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ اس پر عمل سے پیچھے نہ رہتے اور ممکن ہے کہ وضو پر وضو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو۔ [تنبیہ: صرف احتمال کی بنیاد پر خصوصیت ثابت کردینا صحیح نہیں ہے اس مسئلے میں حق یہی ہے کہ دونوں طرح جائز ہے اور وضو پر وضو کرنا جائز اور بہتر ہے۔ واللہ اعلم]

جاہل عورتوں کی بدعات، اعضائے وضو کا نامکمل دھونا

بعض عورتیں یہ عذر تراش لیتی ہیں کہ ان کی آستینیں تنگ ہیں لہٰذا اعضائے وضو کا پورا

پورا دھونا مشکل ہے۔ بعد میں ان کی یہی عادت بن جاتی ہے اور ساتھ ہی بڑی ڈھٹائی سے یہ جواب دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، وہ ہمارے دلوں کے بھید سے واقف ہے وغیرہ، حالانکہ ایسے الفاظ گمراہ فرقہ مرجئہ کی زبانوں پر اکثر رہتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ آستینوں کی تنگی اعضائے وضو کے نامکمل دھونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اللہ کے رسول ﷺ تمام عبادات کو صحیح اور مکمل طریقے سے ادا کرتے تھے حالانکہ اللہ نے آپ کے ہر عمل پر اپنی رضامندی اور معافی کی مہر ثبت کر رکھی ہے۔ ایک دن آپ وضو کر رہے تھے، آپ کی قمیص کی آستین تنگ تھی تو آپ نے قمیص کے نیچے سے اپنے ہاتھ باہر نکالے اور انھیں (پورا) دھویا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''ایک دن رسول اللہ ﷺ سفر میں پیچھے رہ گئے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا، جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو پوچھا: کیا تیرے پاس پانی ہے؟ میں پانی لے آیا، آپ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں اور چہرہ دھویا، پھر آپ نے کہنیوں سے کپڑا اٹھانے کی کوشش کی تاکہ بازو دھوئیں لیکن قمیص کی آستینیں تنگ تھیں، آپ نے قمیص کے نیچے سے دونوں ہاتھ نکال کر کہنیوں تک دھوئے۔ (صحیح بخاری: ۳۶۳، صحیح مسلم: ۲۷۴)

اگر وضو کے اعضاء پورے پورے نہ دھوئے جائیں تو وضو نہیں ہوتا، جس کے نتیجے میں نماز باطل ہو جاتی ہے۔ **(والعیاذ باللہ!)**

پاؤں دھونے میں بہت سے لوگوں کی غفلت اور تساہل پسندی

بہت سے لوگ قدموں کے شروع والے حصے کو دھو کر ٹخنے دھونا چھوڑ دیتے ہیں، جس سے بعض لوگوں کے ٹخنوں پر خشک جگہیں باقی رہ جاتی ہیں حالانکہ نبی ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: پورا پورا وضو کرو کیونکہ میں نے ابوالقاسم رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ((**وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ**)) وضو میں جو ایڑیاں خشک رہ جائیں گی ان کے لیے ہلاکت ہے آگ کے عذاب کی۔
(صحیح بخاری: ۱۶۵، صحیح مسلم: ۲۴۲)

ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی

دو زندگیاں اور دو موتیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴾

''تم اللہ (کے ایک معبود ہونے) کا کیسے انکار کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمھیں زندہ کیا۔ پھر وہ تمھیں موت دے گا اور پھر (قیامت کے دن) وہ تمھیں زندہ کرے گا اور پھر تم اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔'' (البقرۃ:۲۸)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ تُبْعَثُوْنَ ﴾

''پھر یقیناً تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو اور پھر قیامت کے دن تم (زندہ کرکے) اٹھائے جاؤ گے۔'' (المؤمنون:۱۵۔۱۶)

قیامت کے دن کافر کہیں گے:

﴿ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَھَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ﴾

(کافر کہیں گے کہ) اے ہمارے رب! تو نے واقعی ہمیں دو مرتبہ موت اور دو دفعہ زندگی دے دی اب ہم اپنے قصوروں کا اعتراف کرتے ہیں۔ کیا اب یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی سبیل ہے؟ (المؤمن:۱۱)

ثابت ہوا کہ ہر انسان کو دو زندگیاں اور دو موتیں ہی عنایت کی گئی ہیں اور ڈاکٹر عثمانی (کراچی) نے بھی اس کا ذکر کیا ہے بلکہ ان لوگوں کا زبردست رد کیا ہے جو بقول ان کے دو زندگیوں کے بعد تیسری زندگی کے قائل ہیں اور ان پر کفر کے فتوے بھی داغے ہیں لیکن پھر

انتہائی تعجب کی بات ہے کہ '' موصوف '' اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود بھی خود تیسری زندگی کے قائل ہیں اور ان کا خیال ہے کہ مرنے کے بعد اگر برزخی جسم کے ساتھ تیسری زندگی تسلیم کر لی جائے تو یہ بات بالکل درست ہے بلکہ قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔

ڈاکٹر عثمانی تیسری زندگی کے قائل تھے؟

ڈاکٹر صاحب نے عذابِ قبر کے ماننے والوں کو دو زندگیوں اور دو موتوں کا انکاری قرار دیا ہے لیکن آپ کو حیرت ہوگی کہ خود موصوف حقیقتاً دو زندگیوں اور دو موتوں کے انکاری اور تین زندگیوں اور تین موتوں کے قائل تھے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

'' اللہ کے فرمان سے معلوم ہوا کہ ہر مرنے والے کو قبر ملتی ہے چاہے اس کی لاش کو جلا کر خاک کر دیا جائے یا اُس کی میت درندوں اور مچھلیوں کے پیٹ کی غذا بن جائے۔ یہی وہ اصلی قبر ہے جہاں روح کو دوسرے (برزخی) جسم میں ڈال کر قیامت تک جاری رکھا جائے گا۔ اور اسی پر راحت یا عذاب کا پورا دور گزرے گا۔ اور یہ معاملہ صرف مومنوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ کافر، مشرک، فاسق وفاجر ومنافق ہر ایک کے ساتھ یہی ہوگا۔ قرآن وحدیث کا یہی فیصلہ ہے......

قرآن کے بیان سے معلوم ہوا کہ فرعون کی لاش اس دنیا میں عبرت کے لئے محفوظ، اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں بھی اسی دنیا میں لیکن ان کو صبح وشام آگ پر پیش کیا جارہا ہے۔ ثابت ہوا کہ انکو کوئی دوسرا قیامت تک باقی رہنے والا عذاب برداشت کرنے والا جسم دیا گیا ہے۔ جسدِ عنصری وہ بہر حال نہیں ہے.............

بخاری کی اس حدیث سے بہت سی باتیں سامنے آ گئیں۔

۱۔ روحوں کو جسم (برزخی) ملتا ہے اور روح اور اس جسم کے مجموعہ پر راحت وعذاب کا دور گزرتا ہے۔

۲۔ اس مجموعہ کو قیامت تک باقی رکھا جائیگا اور اس پر سارے حالات قیامت

تک گزر ینگے۔

۳۔ یہ ایسا جسم ہے کہ اگر اس کونقصان پہنچایا جائے تو یہ پھر بن جاتا ہے۔

۴۔ دنیا میں زنا کاروں کی قبریں مختلف ملکوں اور مختلف مقاموں پر ہوتی ہیں مگر برزخ میں اُن کو ایک ہی تنور میں برہنہ حالت میں جمع کر کے آگ کا عذاب دیا جاتا ہے اور قیامت تک دیا جاتا رہے گا۔

۵۔ نیکوکار مرنے والے مردوں، عورتوں اور بچوں کو بھی جسم ملتا ہے۔

۶۔ شہداء کو بھی جسم دیا جاتا ہے اور مسلم کی حدیث کے مطابق اُن کے جسم سبز رنگ کے اور اُڑنے والے ہوتے ہیں۔مسلم کی حدیث کے مطابق ان کے جسم.........

ان ساری صحیح حدیثوں نے بتلا دیا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ جو شخص بھی وفات پا جاتا ہے اُس کو حسبِ حیثیت ایک برزخی جسم ملتا ہے جس میں اس کی روح کو ڈال دیا جاتا ہے اور اس جسم اور روح کے مجموعہ پر سوال و جواب اور عذاب و ثواب کے سارے حالات گزرتے ہیں اور یہی اس کی اصلی قبر بنتی ہے قرآن اور صحیح احادیث کا بیان تو یہ ہے۔'' (عذاب برزخ ص۲،۳،۶،۹)

موصوف کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد ہر انسان کو ایک نیا جسم دیا جاتا ہے جسے موصوف برزخی جسم قرار دیتے ہیں اور روح کو اس جسم میں ڈال دیا جاتا ہے اور پھر اس مکمل انسان کو قیامت تک راحت یا عذاب کے مراحل سے گزارا جاتا ہے۔عذاب کے نتیجے میں یہ جسم ریزہ ریزہ بھی ہو جاتا ہے اور پھر جب یہ جسم دوبارہ درست ہو جاتا ہے تو اس جسم میں دوبارہ روح کو ڈال دیا جاتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ بار بار اعادۂ روح ہوتا رہتا ہے اور ثواب وعذاب کا یہ سلسلہ قیامت تک رہتا ہے۔قابل غور بات یہ ہے کہ جسم چاہے نیا ہو یا پرانا، برزخی ہو یا عنصری، اگر روح اس میں ڈال دی جائے تو یہ ایک زندہ انسان ہو جائے گا اور مرنے والے کو ایک کامل و مکمل زندگی حاصل ہو جائے گی اور جب قیامت آئے گی تو پھر

نیا جسم فوت ہو جائے گا اور پرانا جسم دوبارہ زندہ ہو جائے گا۔ موصوف کی اس وضاحت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ موصوف میت (مردہ) کے عذاب کے قائل ہی نہیں ہیں بلکہ وہ زندہ کے عذاب کے قائل ہیں اور مرنے کے بعد ان کے بقول روح کو ایک نئے جسم کے ساتھ زندگی دی جاتی ہے۔

موصوف مزید لکھتے ہیں:

''اس آیت سے تو معلوم ہوا کہ ہر مرنے والے کو قیامت کے دن اُٹھایا جائے گا پھر قیامت سے پہلے مرنے والا اس قبر کے اندر کیسے زندہ ہو جاتا ہے اور اس طرح قبر میں زندہ ہو جانے کے بعد آخر اسے پھر موت کب آتی ہے اور ان تین زندگیوں کے ثبوت میں آخر دلیل کیا ہے تو خاموشی چھا جاتی ہے۔ قرآن کی طرح بخاری کی حدیث بھی یہی بیان کرتی ہے کہ دنیاوی جسم کو مٹی کھا لیتی ہے اور صرف قیامت کے دن عجب الذّنب پر یہ جسم عنصری پھر بنے گا اور میدانِ محشر میں فیصلہ کے لئے حاضر کیا جائے گا....

آخر جب قیامت سے پہلے روح واپس ہی نہیں لوٹتی اور مٹی جسم کو برباد کر دیتی ہے تو اس دنیاوی قبر کے مردہ سے سوال جواب کیسا اور بغیر روح کے مردہ کا احساس راحت۔۔۔اور اس کی چیخ و پکار کیا معنی؟'' (عذاب برزخ ص۱۱)

موصوف عذابِ قبر کے قائلین سے سوال کر رہے ہیں کہ قبر میں اگر عذاب مان لیا جائے تو بقول موصوف یہ تیسری زندگی ہو جائے گی اور ان تین زندگیوں کے ثبوت کی آخر دلیل کیا ہے؟ لیکن خود موصوف جس حقیقی زندگی کے قائل ہیں اس کا ان کے پاس کیا ثبوت ہے؟ اور اس کی کوئی بھی دلیل اس نے پیش نہیں کی۔ پھر موصوف آگے لکھتے ہیں کہ روح کے بغیر عذاب و راحت کا احساس بے معنی ہے۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عذابِ قبر میت کے بجائے زندہ کو ہونا چاہئے اور وہ خود زندہ کے عذاب ہی کے قائل ہیں۔ بالفاظ دیگر موصوف گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میت کو عذاب نہیں ہو سکتا بلکہ یہ عذاب زندہ انسان کو

ہونا چاہئے کیونکہ روح کے بغیر عذاب وراحت بے معنی ہے؟ بہت خوب۔!

اس وضاحت سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ موصوف تیسری زندگی کے قائل ہیں اور اعادۂ روح کے بھی۔ نئے جسم میں پہلی بار جب روح کو داخل کیا گیا تو وہ زندہ انسان بن گیا۔ اب عذاب کے نتیجے میں جب یہ جسم ریزہ ریزہ ہو گیا تو اسے دوبارہ بنا دیا گیا۔ اور پھر بار بار نئے جسم کی طرف اعادۂ روح ہوتا رہے گا اور یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا۔ روح کے نئے جسم میں ڈالے جانے والے عقیدہ سے ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ کو بھی تقویت ملتی ہے۔ گویا موصوف ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ کے بھی قائل تھے۔

حدیث قدسی میں آتا ہے کہ ''جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے اسے میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔'' (بخاری:٦٥٠٢)

ڈاکٹر عثمانی صاحب محدثین کرام کے سخت دشمن تھے اور ان پر کفر کے فتوے لگانا ان کا روزمرہ کا معمول تھا چونکہ روح اصل ہے اور جب وہ کسی جسم میں داخل کی جائے گی تو اس جسم کو زندگی حاصل ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف تیسری زندگی، اعادۂ روح اور ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ کے قائل ہو کر اس دنیا سے برزخ کی طرف رواں دواں ہوئے ہیں۔

ثابت ہوا کہ موصوف:

① تیسری زندگی کے قائل تھے۔

② بار بار اعادۂ روح کے قائل تھے۔

③ ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ کے بھی قائل تھے۔

④ میت کے عذاب کے برخلاف وہ زندہ کے عذاب کے قائل تھے اور اس اصول کے مطابق وہ عذابِ قبر کے انکاری تھے۔ برزخی قبر میں عذاب کے قائل تھے جبکہ برزخی قبر کا عقیدہ شیعوں کا ہے۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

⑤ موصوف تکفیری فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں یعنی مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ تکفیری خارجی فرقہ کے متعلق تفصیل ہماری کتاب الدین الخالص جدید ایڈیشن میں ملاحظہ فرمائیں۔

موصوف نے برزخی جسم کے ثبوت کے لئے جو احادیث ذکر کی ہیں ان میں سے کسی میں بھی جسم کے الفاظ ثابت نہیں ہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ روح کو برزخی جسم میں ڈال دیا جاتا ہے بلکہ موصوف نے زبردستی ان احادیث سے برزخی جسم کو کشید کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ جہنم میں ارواح کے عذاب کے مناظر ہیں جو نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مختلف موقعوں پر دکھائے ہیں اور بس۔ لیکن موصوف نے نبی ﷺ پر برزخی جسم کے نام سے جو واضح اور کھلا جھوٹ باندھا ہے اس کی سزا جہنم میں اپنا ٹھکانا بنا لینے کے مترادف ہے۔ (دیکھئے بخاری: ۱۰۷، ومسلم: ۲)

تین زندگیاں یا بے شمار زندگیاں؟؟؟

موصوف کے بار بار اعادۂ روح کے عقیدہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ موصوف تین زندگیوں ہی کے نہیں بلکہ بے شمار زندگیوں کے قائل تھے کیونکہ برزخی جسم کا ریزہ ریزہ ہو جانا پھر اس جسم کا دوبارہ بننا اور پھر اس میں روح کا اعادہ! اس طرح تو ایک ہی دن میں بے شمار زندگیاں بن جاتی ہیں۔ **فاعتبروا یا أولی الأبصار**

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر کفر کے فتوے لگانے والے سوچیں کہ ان کے پیرِ مغاں پر اب کفر کے کتنے فتوے لگ سکتے ہیں؟ اب دیکھنا یہ ہے کہ اُن کے پرستار اُن پر کفر کے فتوے لگانے کا کب آغاز کرتے ہیں؟؟؟

موصوف معجزات کو دلیل بنانے والوں سے کہتے ہیں: "نبی کے معجزہ کو معمول بنا کر اپنے عقیدہ کے ثبوت میں پیش کرنا بلا کی چابکدستی ہے" (عذاب برزخ ص ۱۹) لیکن خود موصوف ان احادیث سے برزخی جسم کشید کرنے لگ گئے اور انھیں یہ خیال تک نہ آیا کہ معجزات سے بھلا کبھی دلیل اخذ کی جاسکتی ہے؟ کسی چیز کا نفس الامر میں موجود ہونا اور معجزہ اسے صرف ظاہر کرے مثلاً کسی میت پر عذاب ہو رہا ہے اور آپ ﷺ وحی کے ذریعہ بتا دیں کہ اسے عذاب ہو رہا ہے، یہ معجزہ نہیں ہے بلکہ وحی کی ایک شکل ہے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا بھی ایک معجزہ ہے لیکن اس سے کوئی عام دلیل اخذ نہیں کی جاسکتی اور نہ اسے دلیل بنایا

جا سکتا ہے۔ پھر حیرت اس بات پر ہے کہ جرائم جسم عنصری کرے اور عذاب نئے برزخی جسم کو دیا جائے!! یہ کیا بوالعجبی ہے اور کیا جہالت ہے؟؟؟

ڈاکٹر موصوف نے قبر کے عذاب کے ماننے والوں پر کفر کے فتوے داغے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ '' قبر کے عذاب کو اگر تسلیم کر لیا گیا تو یہ بات دنیاوی قبر میں عذابِ قبر کا اثبات حیات فی القبر کے ہم معنی اور قبر پرستی کے شرک کی اصل اور بنیاد ہے۔'' (عذابِ قبر ص ۲۶)

یہ بات تو درست ہے کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا، وہاں چادر، بکرا اور مٹھائی وغیرہ چڑھانا قبروں کی پوجا پاٹ کرنا، بزرگوں سے دعائیں مانگنا اور انھیں مدد کے لئے پکارنا وغیرہ شرکیہ افعال ہیں۔ لیکن قبر کے اندر کے معاملات پر لب کشائی کرنا، آخرت کے حالات کو دنیا پر قیاس کرنا اور قبر کے عذاب و راحت پر ایمان لانے کے بجائے الٹا اس پر فتویٰ بازی کرنا جہالت کی انتہا ہے اور احادیثِ صحیحہ متواترہ کا انکار ہے۔ عذابِ قبر کے بیان پر اس قدر کثرت کے ساتھ احادیث مروی ہیں کہ جن کا کوئی شمار ہی نہیں اور ان احادیث کے ماننے والوں پر فتویٰ بازی کرنا یقیناً سخت گمراہی ہے اور ایسا شخص یقیناً ضال و مضل ہے یعنی وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہا ہے۔

حیرت اس بات پر ہے کہ خود موصوف مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے ایک ایسی مکمل زندگی کے قائل ہیں کہ اس طرح کی زندگی کا قائل اس امت مسلمہ میں کوئی نہیں ہے اور دنیاوی قبر میں عذاب کے قائل کو موصوف نے حیات فی القبر اور قبر پرستی کے شرک کا اصل مجرم قرار دے ڈالا ہے۔ لیکن جو شخص مرنے کے بعد ایک کامل و مکمل تیسری زندگی کا قائل ہو اس پر کون کون سے فتوے چسپاں ہو سکتے ہیں؟ ان فتووں کا ان کے پرستار خود ہی تعین کر دیں تو بہتر ہوگا۔ فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور ڈاکٹر عثمانی کے عقیدہ میں مماثلت

ڈاکٹر موصوف نے نئے جسم میں روح کے داخل ہونے کا عقیدہ مرزا غلام احمد قادیانی

سے لیا ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''سو ان تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ روح کے افعالِ کاملہ صادر ہونے کے لئے اسلامی اصول کے رو سے جسم کی رفاقت روح کے ساتھ دائمی ہے۔ گو موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے مگر عالم برزخ میں مستعار طور پر ہر ایک روح کو کسی قدر اپنے اعمال کا مزہ چکھنے کے لئے جسم ملتا ہے۔ وہ جسم اس جسم کی قسم میں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نور سے یا ایک تاریکی سے جیسا کہ اعمال کی صورت ہو جسم تیار ہوتا ہے۔ گویا کہ اس عالم میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں۔ ایسا ہی خدا کے کلام میں بار بار ذکر آیا ہے۔ اور بعض جسم نورانی اور بعض ظلمانی قرار دیئے ہیں جو اعمال کی روشنی یا اعمال کی ظلمت سے تیار ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ راز ایک نہایت دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں۔ انسانِ کامل اسی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کیفیتِ جسم کے علاوہ پا سکتا ہے۔ اور عالمِ مکاشفات میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ اگرچہ ایسے شخص کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے جو صرف ایک موٹی عقل کی حد تک ٹھہرا ہوا ہے۔ لیکن جن کو عالمِ مکاشفات میں سے کچھ حصہ ہے وہ اس قسم کے جسم کو جو اعمال سے تیار ہوتا ہے۔ تعجب اور استبعاد کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے بلکہ اس مضمون سے لذت اٹھائیں گے۔

غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے ملتا ہے۔ یہی عالم برزخ میں نیک و بد کی جزا کا موجب ہو جاتا ہے۔ میں اس میں صاحب تجربہ ہوں مجھے کشفی طور پر عین بیداری میں بارہا بعض مُردوں کی ملاقات کا اتفاق ہوا ہے۔ اور میں نے بعض فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھا کہ گویا وہ دھوئیں سے بنایا گیا ہے۔ غرض میں اس کُوچہ سے ذاتی واقفیت رکھتا ہوں اور میں زور سے کہتا ہوں کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ایسا ہی ضرور مرنے کے بعد ہر ایک کو ایک جسم ملتا ہے خواہ نورانی خواہ ظلمانی۔ انسان کی یہ غلطی ہوگی۔ اگر وہ ان نہایت باریک معارف کو صرف

عقل کے ذریعہ سے ثابت کرنا چاہے۔ بلکہ جاننا چاہیئے کہ جیسا کہ آنکھ شیریں چیز کا مزہ نہیں بتلاسکتی۔ اور نہ زبان کسی چیز کو دیکھ سکتی ہے۔ ایسا ہی وہ علومِ معاد جو پاک مکاشفات سے حاصل ہوسکتے ہیں۔ صرف عقل کے ذریعہ سے ان کا عُقدہ حل نہیں ہوسکتا۔ خداتعالیٰ نے اس دنیا میں مجہولات کے جاننے کے لئے علیحدہ علیحدہ وسائل رکھے ہیں۔ پس ہر ایک چیز کو اس کے وسیلہ کے ذریعہ سے ڈھونڈو تب اسے پالو گے۔'' (اسلامی اصول کی فلاسفی از مرزا غلام احمد قادیانی کذاب ص ۱۳۵، ۱۳۶، روحانی خزائن ج ۱۰ ص ۴۰۴)

عذابِ قبر کی کیفیت

موت کے وقت ملک الموت روح کو قبض کر لیتا ہے۔ (دیکھئے سورۃ السجدۃ: ۱۸) اور جسم اور روح میں جدائی واقع ہو جاتی ہے اور یہ جدائی قیامت تک رہتی ہے۔ قبر کے سوال و جواب کے بعد روح جنت یا جہنم میں داخل کر دی جاتی ہے اور میت قبر میں ہوتی ہے۔ روح کو جو عذاب ہوتا ہے اسے عذاب جہنم کہتے ہیں اور میت (جسم) کو قبر میں جو عذاب ہوتا ہے اسے عذابِ قبر کہتے ہیں اور نبی ﷺ نے ان دونوں عذابوں یعنی عذاب جہنم اور عذابِ قبر کو الگ الگ بتایا ہے اور امت کو نماز کے آخر میں چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۵۹۰) اور آپ بھی ہمیشہ نماز کے آخر میں ان سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ (بخاری: ۸۳۲)

عذابِ قبر قیامت تک جاری رہے گا لیکن ڈاکٹر عثمانی نے عذابِ قبر کو سمجھنے میں زبردست ٹھوکر کھائی ہے اور عذاب جہنم والی احادیث کو ذکر کر کے اسے ہی عذابِ قبر قرار دے ڈالا اور اصل عذابِ قبر کا صاف انکار کر دیا اور جنت اور جہنم کو برزخی قبریں قرار دے دیا۔ فاعتبروا یااولی الابصار (تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''عذابِ قبر کی حقیقت'' کا مطالعہ فرمائیں)

ڈاکٹر موصوف کا سفید جھوٹ

ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

'' دوسرے حضرات اس بات پر مصر ہیں کہ نہیں، ہر مرنے والے کی روح اسی

دنیاوی جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور یہی جسم قبر میں پھر زندہ ہو جاتا ہے اور برابر زندہ رہتا ہے اگر کہا جائے کہ مردہ کا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے یا آگ اسے جلا کر خاکستر کر دے تو جلا دیا جانے والا کافر تو عذاب سے بچ گیا۔ اس کے دونوں کانوں کے درمیان گرز کیسے مارا جائے گا اور عذاب کا دور اس پر کیسے گذرے گا تو اللہ کی قدرت اور اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ سُبحان اللّٰه۔ اللہ کی قدرت سے کس کو انکار ہے لیکن قدرت کے ساتھ ساتھ اللہ کی ایک نہ بدلنے والی سنت بھی تو ہے۔ اس کو نظر انداز کر دینا بھی تو اچھا نہیں۔

قرآن و بخاری و مسلم کی احادیث نبویؐ کے فیصلہ کے برخلاف اَب جو یہ کہا جانے لگا ہے کہ روح نکلنے کے بعد اسی دنیاوی قبر کے مردے میں واپس لوٹا دی جاتی ہے اور یہ مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ دیکھنے اور سننے لگتا ہے اور اس قبر میں اس زندہ ہو جانے والے مُردے پر عذاب اور راحت کا پورا دَور قیامت تک گزرے گا۔''

(عذاب برزخ ص ۱۰)

موصوف نے یہ بالکل سفید جھوٹ کہا ہے اس لئے کہ قرآن و بخاری و مسلم میں میت کے عذاب کا ذکر آیا ہے۔ میت راحت و آرام یا عذاب کو محسوس کرتی ہے۔ عذاب سے چیختی چلاتی بھی ہے (بخاری: ۱۳۷۴) اور قبر میں سوال و جواب کے وقت اعادۂ روح بھی ہوتا ہے (ابوداود: ۴۷۵۳، مسند احمد: ۱۸۵۳۴، وھو حدیث صحیح) کیونکہ یہ انتہائی اہم سوالات ہوتے ہیں کہ جن پر میت کے مستقبل کا فیصلہ ہونا ہوتا ہے، اس لئے اس اہم موقع پر روح کو بھی حاضر کیا جاتا ہے لیکن روح کے اعادہ کے باوجود مرنے والا میت ہی ہوتا ہے، اس لئے کہ دو زندگیاں یعنی دنیاوی زندگی اس کی ختم ہو چکی ہے اور قیامت کے دن کی زندگی ابھی شروع نہیں ہوئی اور انسان اس وقت حالت موت میں ہوتا ہے یعنی میت ہوتا ہے۔ روح کے اعادہ سے زندگی ثابت نہیں ہوتی جس طرح دنیا میں سوتے وقت روزانہ انسان پر موت طاری ہو جاتی ہے اس کی روح قبض کر لی جاتی ہے اور جاگنے پر پھر اعادۂ روح ہو جاتا ہے۔

(دیکھئے سورۃ الزمر آیت ۴۲ اور اس آیت کی تفسیر بخاری: ۶۳۲۰) اور انسان جاگ جاتا ہے، لیکن اس سے کئی زندگیاں ثابت نہیں ہوتیں۔ دنیاوی زندگی میں روزانہ اعادۂ روح کے باوجود بھی کئی موتیں ثابت نہیں ہوتیں بلکہ اسے ایک ہی زندگی کہا جاتا ہے۔ موت کے بعد میت کی طرف سوال و جواب کے لئے اعادۂ روح ہوتا ہے تو اس سے بھی زندگی ثابت نہیں ہوتی بلکہ میت بدستور میت ہی رہتی ہے۔

قرآن وحدیث میں عذابِ قبر اور میت کے متعلق جو کچھ بیان ہوا ہے یہی اللہ تعالیٰ کی ''نہ بدلنے والی سنت'' ہے لیکن موصوف کا خیال ہے کہ اس کے خودساختہ اور من گھڑت نظریات اللہ تعالیٰ کی نہ بدلنے والی سنت ہیں۔ ویا للعجب!

موت کا مطلب

قرآن وحدیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت انسان پر موت آتی ہے تو اس کی روح کو فرشتے قبض کر لیتے ہیں یعنی روح کو بدن سے نکال لیتے ہیں۔ گویا روح اور بدن میں جدائی کا نام موت ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مَاتَ: موت (ضد حیات) بمعنی کسی جاندار سے روح یا قوت کا زائل ہو جانا۔ (م۔ل) جسم سے روح کا جدا ہونا۔''

(مترادفات القرآن مع فروق ص ۷۷۶ مکتبۃ السلام لاہور)

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ موت کی وجہ سے جسم اور روح میں جدائی ہو جاتی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک قائم رہتا ہے اور قیامت کے دن تمام انسان زندہ ہو کر زمین سے پودوں کی طرح اُگ پڑیں گے اور روحوں کو جسموں کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ قیامت سے پہلے روح کو جسم کی طرف نہیں لوٹایا جاتا سوائے دفن کے وقت، کہ اس وقت سوال و جواب کے لئے روح کو قبر میں پڑے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کا ذکر آتا ہے اور یہ ایک استثنائی صورت ہے۔ البتہ روح کے لوٹائے جانے کے باوجود بھی میت

بدستور میت ہی رہتی ہے کیونکہ ہر انسان کو دو زندگیاں اور دو موتیں دی گئی ہیں۔اب میت کی دنیاوی زندگی ختم ہو چکی ہے اور دوسری زندگی اسے قیامت کے دن حاصل ہوگی۔اب میت جس حالت میں ہے یہ حالت موت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''پھر یقیناً تم اس کے بعد ضرور میت ہو جاؤ گے یعنی مرنے والے ہو اور پھر قیامت کے دن تم (زندہ کر کے) اٹھائے جاؤ گے۔'' (المؤمنون:۱۵،۱۶)

واضح رہے کہ قبر میں روح کے لوٹنے سے زندگی ثابت نہیں ہوتی کیونکہ دنیا میں جب نیند کی وجہ سے انسان پر عارضی موت طاری ہو جاتی ہے اور جاگنے کی صورت میں اس کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے جیسا کہ سورۃ الزمر اور سورۃ الانعام میں مذکور ہے۔اور یہ اعادۂ روح روزانہ ہی ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی کسی نے اسے کئی زندگیاں قرار نہیں دیا بلکہ اسے ایک ہی زندگی سمجھا جاتا ہے لہٰذا اس مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے تا کہ یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔فافهم

برزخی قبر کا تصور کہاں سے آیا؟

قرآن وحدیث کے دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر زمین میں ہوتی ہے جسے ارضی قبر کہتے ہیں اور کسی فرضی (برزخی) قبر کا قرآن وحدیث میں کہیں دور دور تک نام ونشان نہیں ملتا۔لیکن موصوف اس بات پر مصر ہیں کہ قبر برزخ میں ہوتی ہے اس سلسلہ میں جب ہم نے تحقیق کی تو اس کی ایک دلیل مل گئی اور معلوم ہوا کہ برزخ میں قبر کا تصور شیعوں کے ہاں پایا جاتا ہے چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

'' محمد بن يحيٰى، عن أحمد بن محمد بن عيسٰى ، عن أحمد بن محمد ، عن عبدالرَّحمٰن بن حماد، عن عمرو بن يزيد قال :قلت لأبي عبدالله عليه السلام :إنّي سمعتك و أنت تقول: كلُّ شيعتنا في الجنّة علٰى ما كان فيهم؟ قال :صدقتك كلّهم و الله في الجنة ، قال:

قلت :جعلت فداك إن الذّنوب كثيرة كبار ؟ فقال:أمّا في القيامة فكلكم في الجنّة بشفاعة النبيِّ المطاع أو وصي النّبيّ ولكنّي واللّٰه أتخوَّفُ عليكم في البرزخ ۔ قلت :وما البرزخ؟ قال:القبر منذحين موته إلٰى يوم القيامة . ''

عمرو بن یزید بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے تمام شیعہ جنت میں ہیں۔المختصر یہ کہ امام صاحب نے فرمایا کہ جنت میں تمام شیعہ رسول اللہ ﷺ یا وصیٔ رسول ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے جائیں گے لیکن اللہ کی قسم میں تمھارے حال پر ڈرتا ہوں، برزخ میں۔عرض کیا: برزخ کیا ہے؟ فرمایا:''وہ قبر ہے جو موت کے وقت سے لے کر قیامت کے دن تک ہے۔'' (الفروع من الکافی ج۳ص۲۴۲طبع تہران)

معلوم ہوا کہ برزخ میں قبر کا تصور ملت جعفریہ کے ہاں پایا جاتا ہے جسے ڈاکٹر موصوف نے وہاں سے اسمگل کر کے عام مسلمانوں میں پھیلانے کی کوشش کی ہے اور برزخی قبر کو نہ ماننے والوں کو کافر قرار دے دیا۔غور کیجئے کہ شیعیت کے لئے کیسے کیسے ہاتھ کام کر رہے ہیں؟**فاعتبروا يا أولي الأبصار**

واضح رہے کہ دنیاوی قبر، دنیاوی جسم، برزخی قبراور برزخی جسم کی اصطلاحات موصوف کی ایجاد کردہ ہیں اور ان سے جہاں قرآن وحدیث کا صاف انکار لازم آتا ہے وہاں یہ اصطلاحات بدعات کے زمرے میں بھی آتی ہیں اور انھیں ہم عثمانی بدعات کہہ سکتے ہیں اور یہ سب ((**كل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار**)) کا مصداق ہے۔

برزخ کیا ہے؟

برزخ مرنے والوں اور دنیاوالوں کے درمیان ایک آڑ ہے اور بس اور برزخ کسی جگہ یا مقام کا نام نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾

''اوران مرنے والوں کے پیچھے ایک برزخ (آڑ) ہے قیامت کے دن تک''

(المؤمنون:۱۰۰)

یہ برزخ (آڑ) قیامت کے دن تک قائم رہے گی قیامت کے دن یہ آڑ یا پردہ اٹھ جائے گا اور انسان وہاں ہر چیز کا مشاہدہ کرے گا۔ (قٓ آیت:۲۲) کیونکہ غیب وہاں مشاہدہ میں بدل جائے گا۔

امت مسلمہ میں سلف صالحین سے لے کر موجودہ دور تک کوئی شخص بھی برزخی قبر کے نام سے واقف نہیں تھا۔ موصوف ہی نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح پہلی مرتبہ اس نام کا انکشاف کیا ہے!! فافهم

تناسخ کیا ہے؟

وارث سرہندی صاحب لکھتے ہیں: ''تناسخ: روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں آنا۔ (ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق) بار بار جنم لینا، جون بدلنا، چولا بدلنا، آوا گون۔''

(جامع علمی اردو لغت ص۴۶۹) نیز ملاحظہ فرمائیں: رابعہ اردو لغت جدید (ص۲۶۰)

سید قاسم محمود صاحب تناسخ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''آوا گون! جون بدلنا بقول مولانا اشرف علی تھانوی ایک بدن سے دوسرے بدن کی طرف نفس ناطقہ کا انتقال۔

ہندوستان میں اس اعتقاد کے لوگ عام ہیں۔ بقول البیرونی ''جس طرح شہادت بہ کلمۂ اخلاص مسلمانوں کے ایمان کا شعار ہے، تثلیث علامت نصرانیت ہے اور سبت منانا علامت یہودیت، اسی طرح تناسخ ہندو مذہب کی نمایاں علامت ہے۔'' موصوف مزید لکھتے ہیں: ''عقیدۂ تناسخ روح کے ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہونے کے معنی میں متعدد شیعی فرقوں میں بھی پایا جاتا ہے۔'' موصوف آخر میں لکھتے ہیں: ''تناسخ کا عقیدہ ہندومت اور مسلمانوں کے علاوہ بدھ مت، قدیم یونانیوں اور دنیا کے دیگر مذاہب واقوام

کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔اسلام کی صحیح تعلیمات اس عقیدے کی مخالف ہیں اور واضح طور پر اس کی تردید کرتی ہیں۔'' (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص ۵۳۴)

برزخی قبر کی طرح تناسخ کا عقیدہ بھی ہندوؤں کے علاوہ متصوفین یا مسلمانوں کے بعض فرقوں شیعہ وغیرہ میں پایا جاتا ہے اور وہاں سے ڈاکٹر موصوف نے اس عقیدے کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیا۔فاعتبروا یا أولی الأبصار

حافظ ابن حزم ظاہری اندلسی رحمہ اللہ کا فتویٰ عقیدۂ تناسخ کے حاملین پر

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے اصحاب التناسخ پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے اور انھوں نے واضح کیا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا تمام اہل اسلام کے نزدیک کفر ہے۔اور انھوں نے اس مسئلہ کو عقیدۂ توحید کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

'' ٤٣۔ مسألة :وأن الأنفس حيث رآها رسول الله ﷺ ليلة أسرىٰ به أرواح أهل السعادة عن يمين آدم عليه السلام ؛ وأرواح أهل الشقاء عن شماله عند سماء الدنياء لا تفني ولا تنتقل إلٰى أجسام أخر، لكنها باقية حية حساسة عاقلة في نعيم أونكد إلٰى يوم القيامة فترد إلٰى أجسادها للحساب وللجزاء بالجنة أو النار ؟ حاشى أرواح الأنبياء عليهم السلام وأرواح الشهداء فإنها الآن ترزق وتنعم۔ ومن قال بإنتقال الأنفس إلى أجسام أخر بعد مفارقتها هٰذه الأجساد فقد كفر.

برهان هٰذا ما حدثناه عبداللّٰه بن يوسف:ثنا أحمد بن فتح:ثنا عبدالوهاب بن ...كان من أهل النار فالنار؛ ثم يقال له :هٰذا مقعدك الذي تبعث إليه يوم القيامة . ففي هٰذا الحديث إن الأرواح حساسة عالمة مميزة بعد فراقها الأجساد . وأما من زعم أن الأرواح تنقل

إلٰی أجساد أخر فهو قول أصحاب التناسخ :وهو كفر عند جميع أهل الإسلام . وباللّٰه تعالٰى التوفيق ''

ارواح نہ تو فنا ہوتی ہیں اور نہ ہی دوسرے جسموں (برزخی) کی طرف منتقل ہوتی ہیں وہ باقی رہتی ہیں، زندہ رہتی ہیں آرام و آسائش اوراذیت وتکلیف کو برداشت کرنے میں حساس و عاقل ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا پھر اچھے اعمال اور جنت وجہنم کے بدلے کے لئے ان کو ان کے جسموں کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے سوائے انبیائے کرام علیہم السلام اور شہدائے کرام کی ارواح کے، کہ وہ اب بھی رزق اور نعمتوں سے سرشار ہیں اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ روحیں ان جسموں سے جدا ہونے کے بعد دوسرے جسموں میں منتقل کر دی جاتی ہیں (یا بالفاظ دیگران ارواح کو برزخی اجسام دیئے جاتے ہیں) تو یقیناً یہ کفر ہےاوراس پر یہ دلیل ہے۔'' (المحلّٰی ۱/۲۴۔۲۶)

اس کے بعدانھوں نے سیدناانس رضی اللہ عنہ کی معراج کے سلسلہ والی مشہورحدیث جوانھوں نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے بیان کی ہے،اورآخر میں ایک اورحدیث ذکرکر کےفرماتے ہیں:

''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ارواح اپنے جسموں سے مفارقت کے بعد حساس ہوتی ہیں جانتی اور پہچانتی ہیں اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ روحیں دوسرے جسموں میں منتقل ہوجاتی ہیں تو یہ قول اصحاب التناسخ کا ہےاورتمام اہل اسلام کی نگاہ میں (ایسا عقیدہ رکھنا) کفر ہے۔'' (ایضاً)

قہرِ رحمانی برفرقۂ عثمانی

برزخی فرقہ کے باطل ہونے کی ایک زبردست دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان زبردست اختلافات پیدا کر دیئے ہیں اور یہ کئی تکفیری گروہوں اورفرقوں میں بٹ چکے ہیں اور ہم عقیدہ ہونے کے باوجود بھی یہ ایک دوسرے پر مرتد ہونے کا فتویٰ

لگاتے ہیں اور ایک دوسرے کو نہ تو سلام کرتے ہیں اور نہ ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں بلکہ خروج کرنے والے فرقہ نے شروع میں اپنا امیر بدرالزمان صدیقی کو بنایا تھا لیکن اس نے جب کہیں مخالفین کی مسجد میں ایک نماز ادا کر لی تو اسے امارت سے فارغ کر دیا گیا اور یہ تعصب کی انتہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تکفیری فرقے سخت تعصب کا شکار ہیں اور ان فرقوں نے ایک دوسرے کے خلاف پمفلٹ بازی بھی کی ہے اور اس سے پہلے بھی اس فرقے نے کئی فرقیاں جنم دی ہیں جن کی کوکھ سے منکرین حدیث پیدا ہو چکے ہیں اور وہ اس گندے عقیدہ کی دعوت بھی لوگوں کو دے رہے ہیں۔ یہ یقیناً ان برزخیوں پر اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے۔ کاش یہ لوگ اس حقیقت کو سمجھ لیتے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

''کہو وہ (اللہ) اس بات پر قادر ہے کہ تم پر تمھارے اوپر سے یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیج دے یا تمھیں گروہوں میں (تقسیم کر کے) الجھا دے اور تمھیں ایک دوسرے کی طاقت (کا مزا) چکھائے۔ دیکھو کس طرح ہم اپنی آیات بار بار بیان کر رہے ہیں شاید کہ یہ سمجھ لیں۔'' (الانعام:۶۵)

اب برزخی حضرات اس عذاب کے بعد کیا اوپر اور نیچے کے عذاب کے منتظر ہیں؟ یا وہ اس جہالت سے توبہ کر کے قرآن وحدیث کی طرف پلٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

مختصر المختصر

① ڈاکٹر موصوف نے سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۴۰ کا انکار کیا جس میں ہے: ''کافر کی روح کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔'' اور اس آیت کے معنی میں تحریف کی بھی زبردست کوشش کی ہے۔ نیز اس آیت کا مذاق بھی اڑایا ہے۔
دیکھئے عذاب برزخ (ص۳۳)

② موصوف نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں سخت گستاخی کا ارتکاب کیا ہے اور آپ کی سخت توہین بھی کی ہے۔ یعنی آپ پر ''بحرانی کیفیت'' طاری ہونے کا الزام لگایا ہے۔

دیکھئے عذاب برزخ (ص۲۰)

③ موصوف نے رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ① سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بدحواسی کی حالت میں کفر پر مرنے والا قرار دیا اور ② بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ اور ان دونوں صحابہ پر دبے الفاظ میں کفر کے فتوے داغے ہیں۔(**نعوذ بالله من ذالك**)۔

(عذاب برزخ ص۱۸۔۱۹)

④ موصوف نے اس امت کے جم غفیر یعنی تمام محدثین کرام اور پوری امتِ مسلمہ پر کفر کے کھلے اور واضح فتوے داغے ہیں۔ (عذاب برزخ ص۲۶) اور یہ فتوے پلٹ کر ان پر چسپاں ہو چکے ہوں گے۔ **إن شاء الله تعالىٰ**

⑤ موصوف اپنے نظریہ کے دفاع کے لئے احادیث کو نقل کرنے میں قطع و برید سے بھی کام لیتے ہیں اور جو حدیث ان کے نظریہ سے ٹکراتی ہے، اس کے اہم الفاظ سرے سے نقل ہی نہیں کرتے۔ دیکھئے عذاب برزخ (ص۱۷۔۱۸)

الغرض آپ جس قدر بھی غور کریں گے تو آپ کو موصوف کی شخصیت دھوکا وفریب اور جھوٹ سے مزین کفر کی مشین گن اور عجمی سازش معلوم ہوگی۔ **فاعتبروا يا أولي الأبصار**

قارئین سے ایک درخواست

اس مضمون کو پڑھ کر اسے دوسرے بھائیوں تک پہنچانے کا انتظام فرمائیں کیونکہ یہ فتنہ عام ہوتا جا رہا ہے اور لوگ منکرین حدیث بنتے جا رہے ہیں لہٰذا اس فتنہ کا سدباب کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اسے ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے متاثرین تک پہنچائیں جو لوگ شائع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ فوٹو اسٹیٹ کر کے اسے پھیلائیں اور کتاب ''عذابِ قبر کی حقیقت'' کو بھی شائع کر کے لوگوں تک پہنچائیں۔

② عذابِ قبر کے موضوع پر ہماری کتاب ''عذابِ قبر کی حقیقت'' اور دیگر لٹریچر کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ **هذا ما عندي والله أعلم بالصواب**

حافظ زبیر علی زئی

تحفة الأَبرار في صحيح الأَذكار

صحیح دعائیں اور اذکار

(۱)

۱۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد اذکار

① نیند سے بیدار ہو کر یہ دعا پڑھیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَا تَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔

سب حمد وثنا اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں موت دینے کے بعد (دوبارہ) زندہ کیا اور اسی کی طرف (سب نے) اٹھ کر جانا ہے۔ (صحیح البخاری:۶۳۲۴)

② جو شخص رات کو (اچانک) بیدار ہو جائے تو یہ دعا پڑھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ۔

ایک اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد وثنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ حمد وثنا اللہ کے لیے ہے اور اللہ پاک ہے، اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ طاقت اور بدلنا صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ اے اللہ مجھے بخش دے۔ (صحیح بخاری:۱۱۵۴)

اس کے بعد جو دعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے اور اگر وضو کر کے نماز پڑھی جائے تو یہ نماز مقبول ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری:۱۱۵۴)

③ آپ ﷺ رات کو (نیند سے بیدار ہوتے وقت) کافی دیر تک فرماتے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ پاک ہے اللہ (جو) جہانوں کا رب ہے۔

پھر فرماتے: سُبْحَانَ رَبِّيْ وَبِحَمْدِهٖ پاک ہے میرا رب اور اپنی حمد وثنا کے ساتھ۔

(صحیح ابی عوانہ ج ۲ ص ۳۰۳ وسندہ صحیح، سنن النسائی ۲۰۹/۳ ح ۱۶۱۹، وسنن ابن ماجہ: ۳۸۷۹)

④ نبی ﷺ رات کو (نیند سے) بیدار ہوتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ، رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ

کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں سوائے ایک اللہ کے جو سب پر غالب ہے۔ وہ آسمانوں زمین اوران کے درمیان جو کچھ ہے اس (سب) کا رب ہے۔ وہی زبردست اور معاف فرمانے والا ہے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی ۴۰۰/۴ ح ۷۶۸۸ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۷۶۴۱، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۵۵۰۵ دوسرا نسخہ: ۵۵۳۰، المستدرک للحاکم ۵۴۰/۱ ح ۱۹۸۰ وصححہ علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی!)

تنبیہ: اس سلسلے میں اور بھی صحیح روایات ذخیرۂ حدیث میں موجود ہیں۔ جو بھی صحیح وثابت ذکر، ایمان واخلاص کی حالت میں کیا جائے موجبِ اجر وثواب ہے۔ ان دعاؤں کو متفرق بھی پڑھا جاسکتا ہے اور جمع بھی کیا جاسکتا ہے۔

⑤ رات کے آخری حصے میں دعا قبول ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو، جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، آسمانِ دنیا پر نازل ہوتا ہے اور فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کی دعا قبول کرلوں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے دے دوں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اسے بخش دوں؟ (صحیح بخاری: ۱۱۴۵ وصحیح مسلم: ۷۵۸)

⑥ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی شخص سوتا ہے تو اس کے سر کے پچھلے حصے پر شیطان تین گرہیں لگا دیتا ہے (اور) ہر گرہ کے مقام پر (پھونک) مارتا ہے کہ رات لمبی ہے سوئے رہو۔ پھر جب وہ نیند سے بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر وہ جب وضو کرتا ہے تو

دوسری گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے۔ یہ شخص صبح کو پاک نفس کے ساتھ خوش باش ہوتا ہے۔ جب کہ دوسرا شخص (یہ کام نہ کرنے والا اور سویا رہنے والا) صبح کو خبیث نفس کے ساتھ سست ہوتا ہے۔'' (صحیح بخاری:۱۱۴۲ و صحیح مسلم:۷۷۶)

⑦ نیند سے بیدار ہونے کے بعد (تہجد پڑھنے سے پہلے) سب سے پہلے، خوب مسواک کریں۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۲۴۵ و صحیح مسلم:۲۵۵)

⑧ قضائے حاجت کی اگر ضرورت ہو تو اس سے فارغ ہو کر استنجا کرنے کے بعد، مسنون وضو کریں۔

مسنون وضو کا طریقہ درج ذیل ہے:

۱: وضو کے شروع میں ''بسم اللہ'' پڑھیں۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ'' جو شخص وضو (کے شروع) میں اللہ کا نام نہ لے اس کا وضو نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ:۳۹۷ وسندہ حسن لذاتہ)

نبی ﷺ نے صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ ''وضو کرو، بسم اللہ''

(سنن النسائی ۶۱/۱ ح ۷۸ وسندہ صحیح، صحیح ابن خزیمہ ۷۴/۱ ح ۱۴۴ و صحیح ابن حبان، الاحسان: ۶۵۱۰، دوسرا نسخہ ۶۵۴۴)

۲: وضو (پاک) پانی سے کریں۔ (دیکھئے سورۃ النسآء:۴۳ و سورۃ المآئدۃ:۶)

تنبیہ: نبیذ، شربت، دودھ یا ان جیسے مشروبات سے وضو کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ پانی کے حکم میں نہیں ہیں اور نہ ان سے وضو کرنا ثابت ہے۔

۳: ہر وضو کے ساتھ مسواک کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر مجھے میری امت کے لوگوں کی مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں انھیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔'' (بخاری:۸۸۷ و مسلم:۲۵۲)

رسول اللہ ﷺ نے رات کو اٹھ کر مسواک کی اور وضو کیا۔ (مسلم:۲۵۶)

۴: پہلے اپنی ہتھیلیاں تین دفعہ دھوئیں۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۱۵۹ و صحیح مسلم:۲۲۶)

۵: پھر تین دفعہ کلی کریں اور ناک میں پانی ڈالیں۔ (البخاری:۱۵۹ و مسلم:۲۲۶)

تنبیہ: بہتر یہی ہے کہ ایک ہی چلو سے کلی کریں اور ناک میں پانی ڈالیں جیسا کہ صحیح بخاری (۱۹۱) وصحیح مسلم (۲۳۵) سے ثابت ہے۔ لیکن اگر کلی علیحدہ اور ناک میں پانی علیحدہ ڈالیں تو یہ بھی جائز ہے جیسا کہ محدث ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ کی کتاب ''التاریخ الکبیر'' سے ثابت ہے۔

(ص ۵۸۸ ح ۱۴۱۰ وسندہ حسن لذاتہ)

۶: پھر تین دفعہ اپنا چہرہ دھوئیں۔ (البخاری:۱۵۹ ومسلم:۲۲۶)

۷: پھر تین دفعہ اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک (کہنیوں سمیت) دھوئیں۔

۸: پھر (پورے) سر کا مسح کریں۔ (البخاری:۱۵۹ ومسلم:۲۲۶)

اپنے دونوں ہاتھوں سے مسح کریں۔ سر کے شروع سے ابتدا کر کے گردن کے پچھلے حصے تک لے جائیں اور وہاں سے واپس شروع والے حصے تک لے آئیں۔ (البخاری:۱۸۵ ومسلم:۲۳۵)

سر کا مسح ایک بار کریں۔ (سنن ابی داود:۱۱۱ وسندہ صحیح)

تنبیہ: بعض روایات میں سر کے تین دفعہ مسح کا بھی ذکر آیا ہے۔

(دیکھئے سنن ابی داود: ۱۰۷ وسندہ حسن، ۱۱۰ وسندہ حسن)

لہٰذا دونوں طرح عمل جائز ہے۔

۹: پھر اپنے دونوں کانوں (کے اندر باہر) کا مسح ایک دفعہ کریں۔

(النسائی ۱/۷۳ ح ۱۰۱ وسندہ حسن، سنن ابی داود:۱۲۱ وسندہ حسن، ۱۳۷ وسندہ حسن، ابن خزیمہ:۱۵۱، ۱۶۷ وسندہ حسن والزیادۃ منہ، عامر بن شقیق حسن الحدیث وثقہ الجمہور، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۸ ح ۱۷۶ وسندہ حسن، السنن الکبریٰ للنسائی:۱۶۱)

سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما کانوں کے اندر اور باہر کا مسح کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۶۴ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جب وضو کرتے تو اپنی شہادت کی انگلیاں کانوں میں داخل کر کے ان کے ساتھ کانوں کے اندرونی حصے کا مسح کرتے اور بیرونی حصے کا مسح انگوٹھوں سے کرتے تھے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۸ ح ۱۷۳ وسندہ صحیح)

۱۰: پھر اپنے دونوں پاؤں، ٹخنوں تک تین تین بار دھوئیں۔ (البخاری:۱۵۹ ومسلم:۲۲۶)

تنبیہ: اعضائے وضوکو تین تین بار دھونا چاہئے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے لیکن انھیں دو دو بار اور ایک ایک بار دھونا بھی جائز ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۱۵۷، ۱۵۸)

۱۱: وضو کے دوران میں (ہاتھوں اور پاؤں کی) انگلیوں کا خلال کرنا چاہئے۔

[ابوداود: ۱۴۲ وسندہ حسن (الترمذی: ۳۹ وقال: ''ھٰذا حدیث حسن غریب'')]

۱۲: داڑھی کا خلال بھی کرنا چاہئے۔ (الترمذی: ۳۱ وقال: ''ھٰذا حدیث حسن صحیح'' راس کی سند حسن ہے)

۱۳: وضو کے بعد شرمگاہ پر پانی چھڑکنا چاہئے۔ (سنن ابی داود: ۱۶۸ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب وضو کرتے تو اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑکتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۶۷ ح ۱۷۷۵ وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص وضو کرے تو مٹھی بھر پانی لے کر اپنی شرمگاہ پر چھڑک لے۔ اس کے بعد اگر اسے (وسوسے کی وجہ سے) کچھ (تری) محسوس ہو تو یہ سمجھے کہ یہ اسی پانی سے ہے (جو میں نے چھڑکا ہے۔)

(مسند مسدد بحوالہ المطالب العالیۃ: ۱۱۷ وسندہ صحیح، وقال ابن حجر: ''صحیح موقوف'' / مختصر المطالب العالیۃ: ۱۱۷)

تنبیہ: وضو کے بعد رومالی پر پانی چھڑکنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

۱۴: وضو کرنے کے دوران میں کسی دعا کا پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

بعض لوگ وضو کے دوران میں ''**اللھم اغفرلي ذنبي ووسع لي في داري وبارك لي في رزقي**'' والی دعا بحوالہ عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی (۲۸) وغیرہ پیش کرتے ہیں لیکن یہ روایت بلحاظِ سند ضعیف ہے۔ ابومجلز کی سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے نتائج الافکار لابن حجر (ج ۱ ص ۲۶۳ مجلس: ۵۳) وتمام المنۃ للالبانی (ص ۹۵)

اس کے برعکس سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ یہ دعا ''**اللھم اغفرلي ذنبي و يسّرلي في أمري وبارك لي في رزقي**'' نماز کے بعد پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰/۲۹۷ ح ۳۰۳۳۳ وسندہ صحیح، یونس بن ابی اسحاق بریٔ من التدلیس)

۱۵: وضو (اور غسل) کے بعد جسم پونچھنا اور نہ پونچھنا، دونوں طرح جائز ہے۔
نبی ﷺ نے غسل کے بعد (جسم پونچھنے کے لیے) تولیا نہیں لیا۔
(صحیح بخاری:۲۷۶ و صحیح مسلم:۳۱۷)
سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ وضو کے بعد، تولئے کے ساتھ اپنا چہرہ پونچھتے تھے۔
(الاوسط لابن المنذر ۱/۴۱۵ ح۴۲۲ وسندہ حسن)
سیدنا بشیر بن ابی مسعود رضی اللہ عنہ (صحابی بلحاظ رؤیت) تولئے سے پونچھتے تھے۔
(الاوسط ۱/۴۱۵ ح۴۲۴ وسندہ صحیح)

۱۶: درج ذیل کاموں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے:
پیشاب کرنا، پاخانہ کرنا، ہوا کا (دبر یا قبل سے) خارج ہونا، سو جانا، بیوی کو (شہوت سے) چھونا، شرمگاہ کو ہاتھ لگانا، مذی یا منی کا خارج ہونا، جماع کرنا، شرمگاہ کا شرمگاہ سے مل جانا اور اونٹ کا گوشت کھانا۔

۱۷: وضو کے بعد درج ذیل دعائیں پڑھیں:
☆ **اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔**
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ (معبود برحق) نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد (ﷺ) اس (اللہ) کے بندے اور رسول ہیں۔ (مسلم: ب ۱/۱۷ح۲۳۴ وترقیم دارالسلام:۵۵۴)
جو شخص پورا (مسنون) وضو کر کے یہ دعا پڑھتا ہے (پھر دو رکعتیں پڑھتا ہے) اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جس میں سے چاہے گا وہ داخل ہوگا۔ (مسلم:۲۳۴)
تنبیہ: سنن الترمذی (۵۵) کی ضعیف روایت میں ''**اللھم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين**'' کا اضافہ موجود ہے لیکن یہ روایت، سند منقطع ہونے کی وجہ

سے ضعیف ہے۔ ابوادریس الخولانی اور ابوعثمان (سعید بن ہانی / مسند الفاروق لابن کثیر ۱/۱۱۱) دونوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا، نیز دیکھئے میری کتاب ''انوار الصحیفۃ فی الاحادیث الضعیفۃ'' (ت:۵۵)

☆ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

اے اللہ! تو پاک ہے اور حمد وثنا تیری (ہی) ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں، تجھی سے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور میں نے تیری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ (النسائی فی الکبریٰ: ۹۹۰۹ وسندہ صحیح، عمل الیوم واللیلۃ: ۸۱ وقال النسائی: ''ھٰذا خطأ والصواب موقوف''، والموقوف رواہ النسائی فی الکبریٰ: ۹۹۱۰ وسندہ صحیح، والموقوف والمرفوع صحیحان والحمدللہ)

تنبیہ: وضو کے بعد، آسمان کی طرف نظر اٹھا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے دعائے وضو کا پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ سنن ابی داود (۱۷۰) کی جس روایت میں آسمان کی طرف نظر اٹھانے کا ذکر آیا ہے اس کی سند ابن عم زہرہ (مجہول) کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابن عم زہرہ کو حافظ منذری نے مجہول کہا ہے۔

(دیکھئے عون المعبود ۱/۶۶ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان)

۱۸: اس کے بعد دو دو رکعت کر کے رات کی نماز پڑھیں اور ہر دو رکعت پر سلام پھیر دیں۔
(صحیح مسلم: ۷۳۶)

۱۹: صبح کی اذان سے پہلے، رات کی آخری نماز، ایک رکعت وتر پڑھیں۔
(صحیح بخاری: ۹۹۰ وصحیح مسلم: ۷۴۹)

۲۔ فجر کی نماز سے پہلے اذکار

① جب مؤذن (فجر کی) اذان دے تو وہی الفاظ (سراً یا درمیانی آواز میں) پڑھیں جو مؤذن کہتا ہے سوائے درج ذیل دو کلموں کے:

☆ مؤذن جب ''حي على الصلوٰة'' کہے تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہیں۔

(مسلم:۳۸۵)

☆ مؤذن جب ''حي علی الفلاح'' کہے تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھیں۔
(مسلم:۳۸۵)

جو شخص (مذکورہ طریقے کے مطابق) یہ دعا صدقِ دل سے (ہمیشہ) پڑھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اذان مکمل ہونے کے بعد درج ذیل دعا پڑھیں:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ کے رب ہونے، محمد (ﷺ) کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔

(مسلم:۳۸۶) جو شخص یہ دعا پڑھتا ہے اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

پھر نبی ﷺ پر مسنون درود پڑھیں۔ دیکھئے مختصر صحیح نماز نبوی:۴۲

پھر یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ ، آتِ مُحَمَّداً نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ۔

اے میرے اللہ! اس مکمل ندا اور قائم و دائم نماز کے رب! محمد (ﷺ) کو وسیلہ (جنت کا اعلیٰ ترین مقام) اور فضیلت عطا فرما، اور جس مقامِ محمود کا تو نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے انھیں عطا فرما۔ (صحیح بخاری:۶۱۴)

جو شخص یہ دعا (ہمیشہ) پڑھے گا تو نبی کریم ﷺ قیامت کے دن اس کی شفاعت فرمائیں گے۔

بیہقی کی روایت میں ان الفاظ کے بعد یہ اضافہ ہے:

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ — بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

(السنن الکبریٰ ۱/۴۱۰ وسندہ صحیح، السنن الصغیر للبیہقی ۱/۱۰۳ ح ۲۷۰ وسندہ صحیح)

② پھر فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) پڑھے۔ پہلی رکعت میں ﴿قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ [والی سورت] اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ [والی سورت] پڑھیں۔

(دیکھئے صحیح مسلم:۷۲۶)

ان کے علاوہ دوسری قراءت بھی کی جاسکتی ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم:۷۲۷)

③ اگر فجر کی دو رکعتیں (گھر میں) پڑھیں تو ان کے بعد دائیں کروٹ لیٹ جانا مسنون ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۶۲۶ وصحیح مسلم:۷۳۶)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ان دو رکعتوں کے بعد نہیں لیٹتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲۴۸/۲ ح ۶۳۸۵ وسندہ صحیح)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دو رکعتوں کے بعد لیٹا ہوا ہے تو فرمایا:
''احصبوہ'' اسے کنکریاں مارو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۴۸/۲ ح ۶۳۸۷ وسندہ قوی، سعید بن المسیب کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھنا ثابت ہے لہٰذا یہ سند متصل ہے)

لہٰذا دو رکعتوں کے بعد نہ لیٹنا بھی جائز ہے۔

④ پھر (فرض نماز پڑھنے کے لئے) مسجد جائیں۔ نماز کے لئے جاتے وقت درج ذیل دعا پڑھنا ثابت ہے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا ، وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا ، وَّاجْعَلْ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا، وَّاجْعَلْ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا، وَّاجْعَلْ مِنْ خَلْفِيْ نُوْرًا، وَّمِنْ اَمَامِيْ نُوْرًا، وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا، وَّمِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا۔

اے اللہ میرے دل میں نور (روشنی) پیدا فرما، میری زبان، کان اور نظر میں نور بنا۔ میرے پیچھے آگے اوپر نیچے نور بنا، اے اللہ مجھے نور عطا فرما۔ (صحیح مسلم:۱۹۱/۷۶۳ وترقیم دارالسلام:۱۷۹۹)

⑤ مسجد میں داخل ہوتے وقت، پہلے دایاں پاؤں رکھیں۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ تمام امور دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے۔

(دیکھئے صحیح بخاری:۴۲۶ وصحیح مسلم:۲۶۸)

⑥ مسجد میں داخل ہوتے وقت نبی ﷺ پر سلام پڑھیں۔ (سنن ابی داود: ۴۶۵ واسنادہ صحیح)
یعنی '' اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ '' [رسول اللہ پر سلام ہو] کہیں۔
پھر '' اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ '' اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، پڑھیں۔ (صحیح مسلم: ۷۱۳)

اور یہ دعا پڑھیں:
اَعُوْذُ بِا للّٰہِ الْعَظِیْمِ ، وَبِوَجْهِهِ الْكَرِیْمِ ، وَسُلْطَانِهِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ۔
میں پناہ مانگتا ہوں اللہ عظیم کی اور اس کے کریم چہرے اور قدیم سلطنت کے ذریعے سے کہ وہ مجھے شیطان رجیم سے محفوظ رکھے۔ (ابوداود: ۴۶۶ وسندہ صحیح)
جوشخص یہ دعا پڑھے گا تو سارا دن شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔
⑦ مسجد سے جب نکلیں تو نبی ﷺ پر سلام پڑھیں۔
(ابن ماجہ: ۷۷۳ وسندہ حسن وصححہ ابن خزیمہ: ۴۵۲ وابن حبان، الموارد: ۳۲۱ والحاکم ۱/ ۲۰۱ والذہبی)
اور یہ پڑھیں: اَللّٰھُمَّ اعْصِمْنِيْ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
اے اللہ! مجھے شیطان رجیم سے محفوظ رکھ۔ (ابن ماجہ: ۷۷۳ وسندہ حسن)
یا یہ دعا پڑھیں: اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
اے اللہ! مجھے شیطان رجیم سے اپنی پناہ میں رکھ۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۴۵۲ وسندہ حسن)
(پھر) یہ دعا پڑھیں: اَللّٰھُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ
اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں۔ (صحیح مسلم: ۷۱۳)

۳۔ فجر کی نماز کے بعد: اذکار

① سلام پھیرتے ہی اونچی آواز سے اَللّٰهُ اَكْبَرُ (اللہ بہت بڑا ہے) کہیں۔
(دیکھئے صحیح بخاری: ۸۴۲ و صحیح مسلم: ۵۸۳)

یہ ذکر ہر فرض نماز کے بعد ہے۔

② تین دفعہ استغفار کریں: اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ ،اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ،اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہیں اور یہ دعا پڑھیں: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ ، وَمِنْکَ السَّلَامُ ، تَبَارَکْتَ ذَالجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ
اے اللہ تو سلام ہے، تجھی سے سلامتی ہے۔ تو برکتوں والا ہے اے جلالت واکرام والے۔
(صحیح مسلم:۵۹۱)

یہ ذکر بھی ہر نماز کے بعد ہے۔
③ صبح اور شام کی (فرض) نمازوں کے بعد درج ذیل دعا سات دفعہ پڑھیں:
اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ اے میرے اللہ! مجھے آگ سے اپنی پناہ میں رکھ۔
(ابوداود:۵۰۷۹ وسندہ حسن وصححہ ابن حبان، الموارد:۲۳۴۶)
تنبیہ: اس حدیث کے راوی حارث بن مسلم کو ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے اور بعض علماء نے اسے صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ ایسے راوی کی حدیث حسن کے درجے سے نہیں گرتی۔
[نیز دیکھئے التلخیص الحبیر (ج ا ص ۲۴۷ ح ۷۰ جدۃ رباح)]
حافظ ابن حجر نے اس روایت کو ''حسن'' کہا ہے۔ (نتائج الافکار ج ۲ ص ۳۲۶ مجلس:۱۹۱)
منذری نے اس کے حسن ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ (الترغیب والترہیب ۱/۳۰۳، ۳۰۴)
اور ہیثمی نے حارث بن مسلم کو ثقہ قرار دیا۔ (مجمع الزوائد ۹۹/۸) (باقی آئندہ ان شاء اللہ)

الصحیفۃ الصادقۃ   فضل اکبر کاشمیری
عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما وہ مشہور صحابی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھ لیتے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''**ما من أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم أحد أكثر حديثاً عنه مني إلا ما كان من عبدالله بن عمرو فإنه كان يكتب ولا أكتب**'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ حدیثیں آپ سے بیان کرنے والا کوئی نہیں تھا سوائے عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) کے وہ (حدیثیں) لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ (صحیح البخاری:۱۱۳)
سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی لکھی ہوئی کتاب کا نام ''**الصحيفة الصادقة**'' ہے۔

الشیخ الفقیہ ابن العثیمین رحمہ اللہ   ترجمہ: ابوانس محمد سرور گوہر

زکوٰۃ کے انفرادی اور اجتماعی فوائد

[اسلام کا تیسرا بنیادی رکن زکوٰۃ ہے۔ صحیح طریقے سے مستحقین تک زکوٰۃ پہنچانے والے کو درج ذیل انفرادی و اجتماعی حکمتیں اور فائدے حاصل ہوتے ہیں:]

۱: بندے کے اسلام کا اتمام واکمال؛ کیونکہ یہ (زکوٰۃ) ارکانِ اسلام میں سے ہے، لہٰذا جب انسان اس کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہے تو اس کا اسلام مکمل وکامل ہو جاتا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہر مسلمان کا عظیم مقصد ہے، پس ہر مسلمان شخص اپنے دین کے اکمال کے لئے کوشاں رہتا ہے۔

۲: یہ زکوٰۃ دینے والے کے صدق وایمان کی دلیل ہے، اس لئے کہ مال دلوں کو بہت پیارا ہوتا ہے اور پیاری ومحبوب چیز صرف اسی صورت میں خرچ کی جاتی ہے جب اس جتنی یا اس سے زیادہ محبوب چیز کا حصول مقصود ہو بلکہ اس سے محبوب تر چیز کے حصول پر اس پسندیدہ چیز کو خرچ کیا جاتا ہے، اسی لئے اس (زکوٰۃ) کو صدقہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، کیونکہ یہ (صدقہ) زکوٰۃ ادا کرنے والے کی اللہ عزوجل کی رضا کی سچی طلب پر دلالت کرتا ہے۔

۳: یہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کے اخلاق سنوارتی ہے، یہ اس کو بخیلوں کے زمرے سے نکال کر سخیوں کے زمرے میں داخل کرتی ہے، کیونکہ جب وہ اپنے نفس کو خرچ کرنے کا عادی بنالیتا ہے، خواہ علم کا خرچ کرنا ہو یا مال کا صرف کرنا ہو یا جاہ کی قربانی، اور یہ خرچ کرنا اس کی عادت اور طبیعت ومزاج بن جاتا ہے حتیٰ کہ جس روز وہ اپنے معمول کے مطابق کچھ خرچ نہیں کرتا تو وہ رنجیدہ اور پریشان ہو جاتا ہے، جیسے وہ شکاری جو ہر روز شکار کرتا ہے اگر کسی روز وہ شکار سے پیچھے رہ جائے تو وہ رنجیدۂ خاطر

ہو جاتا ہے اور اسی طرح جس شخص نے اپنے نفس کو سخاوت کا عادی بنا لیا ہو تو اگر کسی روز اپنے مال یا جاہ یا منفعت سے خرچ نہ کر سکے تو وہ کبیدۂ خاطر ہو جاتا ہے۔

٤: زکوٰۃ دل کو مطمئن کرتی ہے، پس انسان جب کوئی چیز خرچ کرتا ہے، خاص طور پر مال تو وہ اپنے دل میں اطمینان پاتا ہے اور یہ چیز مجرب ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ خرچ کرنا سخاوت اور خوش دلی کے جذبے سے ہو، اس طرح نہ ہو کہ مال تو خرچ کر دیا لیکن اس کو دل سے نہیں نکالا، حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ''زادالمعاد'' میں ذکر کیا ہے کہ خرچ وسخاوت انشراح صدر اور اطمینان قلب کا سبب ہے، لیکن اس سے صرف وہی شخص استفادہ کر سکتا ہے جو سخاوت اور خوش دلی کے جذبے سے خرچ کرتا ہے اور وہ اپنا مال اپنے ہاتھ سے دینے سے پہلے اس کو اپنے دل سے نکالتا اور ادا کرتا ہے، رہا وہ شخص جو اپنے ہاتھ سے تو مال ادا کرتا ہے لیکن اس کو دل میں جگہ دیئے رکھتا ہے تو وہ اس خرچ کرنے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

٥: یہ انسان کو مومن کامل کے ساتھ ملاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا یؤمن أحدکم حتّی یحب لأخیه ما یحب لنفسه))

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ وہ جو چیز اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے وہی چیز اپنے بھائی کے لئے پسند کرے۔ (صحیح بخاری:١٣، صحیح مسلم:٤٥)

٦: یہ جنت میں جانے کا ذریعہ ہے کیونکہ جنت اس شخص کے لئے ہے جس نے عمدہ گفتگو کی، سلام پھیلایا (کثرت سے سلام کیا)، کھانا کھلایا اور نمازِ تہجد پڑھی جبکہ دیگر لوگ محوِ خواب تھے۔ (المستدرک ١/٣٢١ ح ١٢٠٠ نحو المعنیٰ مختصراً وسندہ حسن وللحدیث شواہد)

ہم سب جنت میں جانے کے لئے کوشاں ہیں۔

٧: زکوٰۃ اسلامی معاشرے کو ایک خاندان کی طرح بنا دیتی ہے، اس میں صاحبِ قدرت ناتواں شخص کی اور مال دار شخص تنگ دست کی مدد کرتا ہے، پس انسان یہ سمجھنے اور محسوس کرنے لگ جاتا ہے کہ اس کے بھائی ہیں اس پر واجب ہے کہ وہ ان کے

ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے، ان پر احسان کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾ اور جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی (اس کے بندوں پر) احسان کر۔ (القصص:۷۷)

پس اس طرح امتِ اسلامیہ ایک خاندان کی طرح ہو جاتی ہے، اور متاخرین کے ہاں یہ اجتماعی کفالت کے نام سے معروف ہے، اور اس کے لئے زکوٰۃ ہی بہتر ہے کیونکہ انسان اس کے ذریعے سے فریضہ ادا کرتا ہے اور اپنے بھائیوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

۸: یہ فقراء کی بغاوت کی حرارت کو ختم کرتی ہے کیونکہ فقیر شخص جب دیکھتا ہے کہ یہ (مال دار) شخص اپنی مرضی کی سواری (پرتعیش گاڑی) پر سواری کرتا ہے، اپنی من پسند کوٹھی اور بنگلے میں رہتا ہے اور اپنی چاہت کے انواع و اقسام کے کھانے کھاتا ہے، جبکہ وہ (فقیر شخص) پیدل چلتا ہے اور آسمان کی چھت تلے راستوں (FOOT PATH) پر سوتا ہے اور اس طرح کی دیگر سہولتوں سے محرومی، کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے دل میں بغاوت کے کچھ جذبات رکھتا ہے۔ پس جب مال دار حضرات فقراء پر مال خرچ کرتے ہیں تو وہ ان کی بغاوت (کے تعمیر ہونے والے قلعے) کو توڑ دیتے ہیں اور ان کے غیض وغضب (کی آگ) کو ٹھنڈا کر دیتے ہیں، اور وہ (فقراء) کہتے ہیں ہمارے کچھ بھائی ہیں جو تنگ دستی میں ہمیں یاد رکھتے ہیں پس اس طرح وہ مال دار حضرات سے الفت رکھتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں۔

۹: یہ مالی جرائم جیسے چوریاں، ڈاکے اور اغواء کو روکتی ہے اور اس طرح کے دیگر جرائم، کیونکہ فقراء کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ ملتا رہتا ہے، چونکہ مال دار حضرات اپنے مالوں میں سے انھیں دیتے رہتے ہیں اس لئے وہ (فقراء) ان سے الجھاؤ پیدا نہیں کرتے۔ وہ سونے، چاندی اور سامانِ تجارت میں سے چالیسواں حصہ (اڑھائی فیصد) زرعی پیداوار اور باغات کے پھلوں پر دسواں یا بیسواں حصہ، اور

مویشیوں میں سے ایک بہت بڑی نسبت سے مویشی ان کو دیتے ہیں، پس وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان پر احسان کرتے ہیں اور ان پر زیادتی نہیں کرتے۔

۱۰: روزِ قیامت کی گرمی سے نجات۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ہر شخص روزِ قیامت اپنے صدقے کے سائے تلے ہوگا۔

(مسند احمد ۱۴۸/۴ ح ۱۷۳۳۳ وسندہ صحیح وصححہ ابن خزیمہ: ۲۴۳۱ وابن حبان: ۳۳۱۰ والحاکم ۴۱۶/۱ ووافقہ الذہبی)

اور جس روز اللہ تعالیٰ کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا تو جن خوش نصیبوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے تلے جگہ نصیب فرمائے گا ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

((رجل تصدق بصدقة فأخفاها حتّى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه))

ایک وہ شخص جس نے صدقہ کیا تو اس کو اتنا مخفی رکھا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتا نہیں کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۴۲۳، صحیح مسلم: ۱۰۳۱)

۱۱: یہ انسان کی اللہ تعالیٰ کی حدود اور اس کے ضابطوں کی معرفت حاصل کرنے میں معاونت کرتی ہے کیونکہ وہ زکوٰۃ کے احکام، اس کے اموال و انصاب اور اس کے مستحقین اور ان کے علاوہ دیگر ضروری چیزوں کی معرفت حاصل کرنے کے بعد ہی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

۱۲: وہ حسی اور معنوی لحاظ سے مال کو بڑھاتی ہے، پس جب انسان اپنے مال میں سے صدقہ کرتا ہے تو یہ اس کو آفتوں سے بچاتا ہے، اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ اس صدقے کی وجہ سے اس شخص کے لئے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے اور اس کا رزق بڑھا دیتا ہے اس لئے حدیث میں آیا ہے: **((ما نقصت صدقة من مال))**

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۸/۶۹ [۶۵۹۲])

یہ چیز مشاہدے میں آچکی ہے کہ بخیل شخص کے مال پر بسا اوقات ایسی چیز مسلط کر دی جاتی ہے جو اس کو ختم کر دیتی ہے یا اس کا زیادہ تر مال جل کر خاکستر ہو جاتا ہے، یا اسے بہت زیادہ خسارہ ہو جاتا ہے یا اس پر امراض حملہ کر دیتے ہیں اور وہ علاج کرانے پر مجبور ہو جاتا ہے

جس کی وجہ سے اس کا بہت سامال اس سے چلا جاتا ہے۔

۱۳ : یہ نزولِ خیر و برکات کا ذریعہ ہے، حدیث میں آیا ہے:

((ما منع قوم زكاة أموالهم إلا منعوا القطر من السماء))

جو لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دیتے تو وہ بارش سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔

(المستدرک ۴/۵۴۰ ح ۸۶۲۳ نحو المعنیٰ، اتحاف المھرۃ ۸/۵۹۰ ح ۱۰۰۱۵ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

۱۴ : جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے: **((إن الصدقة تطفي ء غضب الرب))**

یقیناً صدقہ رب تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ [یہ روایت ثابت نہیں ہے۔]

(سنن الترمذی: ۶۶۴ نحو المعنیٰ وسندہ ضعیف ومع ذلک صححہ الألبانی بشواھدہ الضعیفۃ والمردودۃ !)

۱۵ : زکوٰۃ بُری موت سے بچاتی ہے۔

۱۶ : یہ آسمان سے اترنے والی بلاؤں سے ٹکراتی ہے اور انھیں زمین تک پہنچنے نہیں دیتی۔

۱۷ : یہ خطاؤں کو ختم کر دیتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الصدقة تطفيء الخطيئة كما يطفي ء الماء النار))

صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔

(سنن الترمذی: ۶۱۴ وسندہ حسن وقال الترمذی: ''حسن غریب'')

دس محرم (عاشوراء) کا روزہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ سے یہ امید رکھتا ہوں کہ عاشوراء کا روزہ سابقہ سال (کے گناہوں) کا کفارہ بن جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶۲) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کا (استحبابی) حکم دیا پھر فرمایا: اگر میں اگلے سال باقی (زندہ) رہا تو نو (۹ محرم) کا روزہ رکھوں گا۔ (صحیح مسلم: ۱۱۳۴) اس حدیث کے راوی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' صوموا التاسع والعاشر وخالفوا اليهود'' نو اور دس (محرم) کا روزہ رکھو اور یہودیوں کی مخالفت کرو۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۲۸۷ وسندہ صحیح) راوی کے اس فتوے سے معلوم ہوا کہ نو اور دس محرم کا روزہ رکھنا چاہئے۔ [نصیر احمد کاشف]

هدية المسلمين حافظ زبیر علی زئی

سینے پر ہاتھ باندھنا

حدیث:**۱۱** ((**عن سهل بن سعد قال :كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل يده اليمنٰى علٰى ذراعه اليسرىٰ فى الصلٰوة**))

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے)
حکم دیا جاتا تھا کہ ہر شخص نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں بازو پر رکھے۔

[صحیح البخاری: ۱/۱۰۲ ح ۷۴۰، وموطأ الامام مالک ۱/۱۵۹ ح ۳۷۷ باب وضع الیدین احداہما علی الاخریٰ فی الصلوٰۃ، وروایۃ ابن القاسم بتحقیقی: ۴۰۹]

فوائد:

① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے چاہئیں، آپ اگر اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ''ذراع'' (بازو) پر رکھیں گے تو دونوں ہاتھ خود بخود سینہ پر آجائیں گے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ہتھیلی کی پشت، رُسغ (کلائی) اور ساعد (کلائی سے لیکر کہنی تک) پر رکھا (سنن نسائی مع حاشیۃ السندھی: ج ۱ ص ۱۴۱ ح ۸۹۰، ابوداود: ج ۱ ص ۱۱۲ ح ۷۲۷) اسے ابن خزیمہ (۱/۲۴۳ ح ۴۸) اور ابن حبان (الاحسان: ۲/۲۰۲ ح ۴۸۵) نے صحیح کہا ہے۔

سینے پر ہاتھ باندھنے کی تصدیق اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آیا ہے:

''**يضع هٰذه علٰى صدره ...... إلخ**''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ [ہاتھ] اپنے سینے پر رکھتے تھے......الخ

[مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶ ح ۲۲۳۱۳، واللفظ لہ، التحقیق لابن الجوزی ج ۱ ص ۲۸۳ ح ۴۷۷ وفی نسخۃ ج ۱ ص ۳۳۸ وسندہ حسن]

② سنن ابی داود (ح ۷۵٦) وغیرہ میں ناف پر ہاتھ باندھنے والی جو روایت آئی ہے وہ عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی کی وجہ سے ضعیف ہے ، اس شخص پر جرح ، سنن ابی داود کے محولہ باب میں ہی موجود ہے، علامہ نووی نے کہا:
''عبدالرحمٰن بن اسحاق بالاتفاق ضعیف ہے۔'' [نصب الرایۃ للزیلعی الحنفی ۱/۳۱۴]

نیموی فرماتے ہیں: '' وفیه عبدالرحمٰن بن إسحاق الواسطي وهو ضعیف ''
اور اس میں عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ [حاشیہ آثار السنن ح ۳۳۰]
مزید جرح کیلئے عینی حنفی کی البنایۃ فی شرح الہدایۃ (۲/۲۰۸) وغیرہ کتابیں دیکھیں، ہدایہ اولین کے حاشیہ ۱۷، (۱/۱۰۲) میں لکھا ہوا ہے کہ یہ روایت بالاتفاق ضعیف ہے۔

③ یہ مسئلہ کہ مرد ناف کے نیچے اور عورتیں سینے پر ہاتھ باندھیں کسی صحیح حدیث یا ضعیف حدیث سے قطعاً ثابت نہیں ہے، یہ مرد اور عورت کی نماز میں جو فرق کیا جاتا ہے کہ مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھیں اور عورتیں سینے پر، اس کے علاوہ مرد سجدے کے دوران میں بازو زمین سے اٹھائے رکھیں اور عورتیں بالکل زمین کے ساتھ لگ کر بازو پھیلا کر سجدہ کریں یہ سب اہل الرائے کی موشگافیاں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے نماز کی ہیئت، تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک مرد و عورت کے لئے ایک ہی ہے، صرف لباس اور پردے میں فرق ہے کہ عورت ننگے سر نماز نہیں پڑھ سکتی اور اس کے ٹخنے بھی ننگے نہیں ہونے چاہئیں۔ اہلِ حدیث کے نزدیک جو فرق و دلیل نص صریح سے ثابت ہو جائے تو برحق ہے، اور بے دلیل وضعیف باتیں مردود کے حکم میں ہیں۔

④ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے منسوب تحت السرۃ (ناف کے نیچے) والی روایت سعید بن زربی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: منکر الحدیث
(تقریب التہذیب: ۲۳۰۴)

[دیکھئے مختصر الخلافیات للبیہقی: ۱/۳۴۲، تالیف ابن فرح الاشبیلی والخلافیات مخطوط ص ۳۷ ب وکتب اسماء الرجال]

⑤ بعض لوگ مصنف ابن ابی شیبہ سے'' تحت السرۃ '' والی روایت پیش کرتے ہیں حالانکہ مصنف ابن ابی شیبہ کے اصل قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں ''تحت السرۃ'' کے الفاظ نہیں ہیں جبکہ قاسم بن قطلو بغا (کذاب بقول البقاعی/الضوء اللامع ۱۸۶/۶) نے ان الفاظ کا اضافہ گھڑ لیا تھا۔انور شاہ کشمیری دیو بندی فرماتے ہیں:
''پس بے شک میں نے مصنف کے تین (قلمی) نسخے دیکھے ہیں، ان میں سے ایک نسخے میں بھی یہ (تحت السرۃ والی عبارت) نہیں ہے۔'' (فیض الباری ۲۶۷/۲)

⑥ حنبلیوں کے نزدیک مردوں اور عورتوں دونوں کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ [الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲۵۱/۱]!!

⑦ تقلیدی مالکیوں کی غیر مستند اور مشکوک کتاب ''المدونۃ'' میں لکھا ہوا ہے کہ امام مالک نے ہاتھ باندھنے کے بارے میں فرمایا: ''مجھے فرض نماز میں اس کا ثبوت معلوم نہیں'' امام مالک اسے مکروہ سمجھتے تھے۔ اگر نوافل میں قیام لمبا ہو تو ہاتھ باندھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس طرح وہ اپنے آپ کو مدد دے سکتا ہے۔ (دیکھئے المدونۃ ۷۶/۱) اس غیر ثابت حوالے کی تردید کے لئے موطأ امام مالک کی تبویب اور امام مالک کی روایت کردہ حدیثِ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہی کافی ہے۔

⑧ جو لوگ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں ان کی دلیل المعجم الکبیر للطبرانی (۷۴/۲۰ ح ۱۳۹) کی ایک روایت ہے جس کا ایک راوی خصیب بن جحدر کذاب ہے۔ (دیکھئے مجمع الزوائد ۱۰۲/۲) معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع ہے لہٰذا اس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔

⑨ سعید بن جبیر (تابعی) فرماتے ہیں کہ نماز میں ''فوق السرۃ'' یعنی ناف سے اوپر (سینے پر) ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ (امالی عبدالرزاق/الفوائد لابن مندۃ ۲۳۴/۲ ح ۱۸۹۹ وسندہ صحیح)

⑩ سینے پر ہاتھ باندھنے کے بارے میں مزید تحقیق کے لئے راقم الحروف کی کتاب ''نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام'' ملاحظہ فرمائیں۔اس کتاب میں مخالفین کے اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے گئے ہیں۔والحمدللہ

اعلان

ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۰ ص ۵۲ پر کمپوزنگ کی غلطی سے ''حسین احمد ٹانڈوی مدنی کی کتاب ایضاح الادلہ'' چھپ گیا ہے جبکہ صحیح ''محمود حسن دیوبندی کی کتاب ایضاح الادلہ'' ہے۔ یہ اعلان سابقہ شمارے (۳۱) میں پبلشنگ کی غلطی کی وجہ سے رہ گیا تھا۔

حافظ زبیر علی زئی (۲ نومبر ۲۰۰۶ء)

ہم مانتے ہیں:

- ہم اللہ کی وحدانیت کو مانتے ہیں۔
- ہم رسولوں کی رسالت کو مانتے ہیں۔
- ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت کو مانتے ہیں۔
- ہم اماموں کی امامت کو مانتے ہیں۔
- ہم فقہاء کی فقاہت کو مانتے ہیں۔
- ہم اولیاء کی ولایت کو مانتے ہیں۔

ہم کون ہیں؟

- کافر کے مقابل ہم مسلم ہیں۔
- اہلِ شرک کے مقابل ہم اہلِ توحید ہیں۔
- اہلِ بدعت کے مقابل ہم اہلِ سنت ہیں۔
- اہل الرائے کے مقابل ہم اہلِ حدیث ہیں۔
- منکرینِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابل ہم سپاہِ صحابہ ہیں۔

الداعی الی القرآن والسنة

اہلِ سنت والجماعت اہلِ حدیث دولت نگر تحصیل وضلع گجرات

حافظ شیر محمد

محبت ہی محبت

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی رسوله الأمین، أما بعد:

اللہ اور رسول سے محبت کرنا اور ان پر ایمان لانا دینِ اسلام کا بنیادی رکن ہے جس کے بغیر دائرۂ اسلام میں داخل ہونا ناممکن ومحال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان پر بے شمار احسانات فرمائے لیکن اس کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے مومنوں کے لئے اپنے محبوب اور آخری رسول سیدنا محمد ﷺ کو بھیجا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ﴾

یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب اس نے انھی میں سے ایک رسول اُن میں بھیجا جو اُن پر اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ (آل عمران:۱۶۴)

ایک عورت نے اپنے بچے کو (پیار سے) اپنے سینے سے لگا رکھا تھا تو پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

((**لله أرحم بعباده من هٰذه بولدها**)) جتنی یہ عورت اپنے بچے پر (مہربان) ہے اللہ اپنے بندوں پر اس سے (بھی) زیادہ رحم کرنے والا ہے

(صحیح البخاری:۵۹۹۹ وصحیح مسلم:۲۷۵۴)

اللہ غفور رحیم فرماتا ہے: ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ﴾

اور میری رحمت ہر چیز سے زیادہ وسیع ہے۔ (الاعراف:۱۵۶)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۙ﴾

میرے بندوں کو بتادو کہ بے شک میں غفور رحیم ہوں۔(الحجر:۴۹)
اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں ایک نام اَلْوَدُوْدُ (محبت کرنے والا) ہے۔
دیکھئے سورۃ البروج (آیت:۱۴)
محبت کرنے والے رب العالمین نے رسول اللہ ﷺ کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ اور ہم نے آپ کو صرف رحمت للعالمین (سارے جہانوں کے لئے رحمت) بنا کر ہی بھیجا ہے۔ (الانبیآء:۱۰۷)
رحمت للعالمین آپ ﷺ کی صفتِ خاصہ ہے جس میں دوسری کوئی مخلوق آپ کی شریک نہیں۔
نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((وَإِنّما بُعِثْتُ رَحْمَةً))
اور مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔(صحیح مسلم:۲۵۹۹)
رحمت للعالمین نے فرمایا:

((لا تدخلون الجنة حتّی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتّی تحابوا، أولا أدلکم علٰی شيً إذا فعلتموہ تحاببتم؟ أفشوا السلام بینکم.))
تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ ایمان لے آؤ اور تم (مکمل) ایمان نہیں لا سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا تمھیں وہ چیز نہ بتادوں اگر تم اسے کرو تو آپس میں محبت کرنے لگو گے؟ سلام (السلام علیکم) کو اپنے درمیان پھیلا دو۔
(صحیح مسلم:۹۳/۵۴ وترقیم دارالسلام:۱۹۴)
دو آدمی جو ایک دوسرے سے اللہ کے لئے محبت کرتے ہیں انھیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے (عرش کے) سائے میں رکھے گا۔ دیکھئے صحیح بخاری (٦٦) وصحیح مسلم (۱۰۳۱)
ہمارا پیارا رب فرماتا ہے:((حقت محبتي علی المتحابین فيّ.))
جو لوگ میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں ان کے لئے میری محبت واجب ہوگئی۔ (مسند احمد، زوائد عبداللہ بن احمد ۳۲۸/۵ وسندہ صحیح)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله إخواناً ولا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال.))

ایک دوسرے سے بغض نہ کرو اور حسد نہ کرو اور پیٹھ نہ پھیرو (یا غیبت نہ کرو) اور آپس میں اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ تین راتوں سے زیادہ اپنے بھائی سے بائیکاٹ کرے۔

(الموطأ روایۃ عبدالرحمٰن بن القاسم:۴ وسندہ صحیح، البخاری:۶۰۷۶ ومسلم:۲۵۵۹)

ان نصوصِ شرعیہ ودیگر دلائل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ماہنامہ الحدیث حضرو میں ''محبت ہی محبت'' کا ایک سلسلہ اول یوم سے شروع کیا گیا ہے اور جاری ہے۔ اسلام دینِ محبت ہے۔ میدانِ جنگ میں کفار سے شرعی جہاد کے دوران میں کئی احکام پر عمل کرنا ضروری ہے مثلاً:

۱) بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ (صحیح مسلم:۱۷۳۱ و صحیح بخاری:۳۰۱۴)

۲) عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔ (صحیح بخاری:۳۰۱۴ و صحیح مسلم:۱۷۴۴)

۳) آگ کا عذاب نہ دیا جائے۔ (صحیح بخاری:۳۰۱۶)

٤) عسیف یعنی کمزور خدمت گار کو قتل نہ کیا جائے۔ (سنن ابی داود:۲۶۶۹ وسندہ صحیح)

مکہ اور مدینہ دینِ اسلام اور مسلمانوں کے دو مقدس ترین مقامات ہیں۔ مکہ و مدینہ میں حلال جانوروں کے شکار سے منع کر دیا گیا ہے بلکہ عام درختوں کو کاٹنا بھی ممنوع ہے۔ مکہ اور مدینہ میں جنگ اور قتل وقتال حرام ہے اِلا یہ کہ تخصیص کی کوئی شرعی دلیل ہو۔

قرآن و حدیث میں جن لوگوں سے محبت کرنے کا حکم یا اشارہ دیا گیا ہے، اُن سے محبت کرنا رکنِ ایمان ہے۔

ہم نے اس سلسلہ ''محبت ہی محبت'' میں دو اہم باتوں کو مدنظر رکھا ہے:

۱) صرف اُن روایات واقوال سے استدلال کیا ہے جن کی سندیں صحیح یا حسن لذاتہ ہیں۔ جب صحیح و حسن روایتیں ذخیرۂ حدیث میں موجود ہیں تو پھر ضعیف و غیر ثابت: روایات اور

اقوال سے استدلال کیا معنی رکھتا ہے؟ حافظ ابن حبان البستی رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ''**كأن ماروى الضعيف ومالم يروفي الحكم سيان**'' گویا کہ ضعیف جو روایت بیان کرے اور جس کی روایت ہی (سرے سے) نہ ہو، حکم میں برابر ہیں۔

(کتاب المجروحین ۱/۳۲۸ ترجمۂ سعید بن زیاد)

یعنی ضعیف روایت کا وجود اور عدمِ وجود برابر ہے۔

یہ منہج اگرچہ بہت مشکل اور صبر آزما ہے لیکن بحمداللہ ہم اسی پر گامزن ہیں۔

۲) محبت اور بغض کی وجہ سے بہت سے لوگ افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔

سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' **حبك الشئ يعمي ويصم** ''

تیرا کسی چیز سے محبت کرنا اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی ۱/۳۶۸ ح ۴۱۲ وسندہ صحیح)

نصرانیوں نے سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی محبت میں اندھا دھند غلو کرتے ہوئے انھیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنالیا۔ **تعالى الله عما يقولون علوًا كبيرًا.**

بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنے والے بہت سے لوگوں نے انبیاء وصالحین اور شہداء کو عملاً رب ومعبود اور مشکل کشا بنالیا۔ اماموں کا درجہ نبیوں سے بلند کیا اور طرح طرح کے غلو اور افراط وتفریط کا شکار ہوئے حالانکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يا أيها الناس! إياكم والغلو فى الدين ، فإنما أهلك من كان قبلكم الغلو فى الدين.))

اے لوگو! دین میں غلو سے بچو، کیونکہ بے شک تم سے اگلے لوگوں کو دین میں غلو نے ہلاک کیا۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۰۲۹ وسندہ صحیح واللفظ لہ، سنن النسائی ۵/۲۶۸ ح ۳۰۵۹ وسندہ صحیح، وصححہ ابن خزیمہ: ۲۸٦۷ وابن حبان، الموارد: ۱۰۱۱ والحاکم ۱/۴٦٦ والذہبی)

ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ اہلِ حق سے محبت میں افراط وتفریط اور غلو کا شکار ہونے سے مکمل طور پر بچا جائے۔ **والله هو الموفق** (اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔)

علامہ مولانا فیض الرحمٰن الثوری رحمہ اللہ

ولادت: ۱۹۲۰ء بستی بلوچاں داندی، اوچ شریف (اوچہ/اوش) قوم: بلوچ قیصرانی

نام ونسب: ابوالفضل فیض الرحمٰن بن غلام محمد (گھمنڑ) بن دلاور خان بن جلال خان بن حسن خان

تعلیم: آپ نے اردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ گمانی میں اور درسِ نظامی کی تکمیل دارالحدیث محمدیہ جلالپور میں ۱۹۴۷ء سے پہلے کر لی تھی بعد میں مدرسہ زبیدیہ محلّہ نواب گنج دہلی میں پڑھتے رہے۔

اساتذہ: آپ کے بعض اساتذہ کے نام یہ ہیں: عبدالحق محدث بہاولپوری، محمد حیات، عبدالحق ملتانی، سلطان محمود محدث جلالپوری، عبدالمجید پنجابی اور احمد اللہ وغیرہم۔ رحمہم اللہ اجمعین

درس وتدریس: ریاست بہاولپور کے مدارس میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

تصنیفی خدمات: آپ کی چند اہم تصانیف درج ذیل ہیں:

(۱) الردالنقی علی الجوہرالنقی [غیر مطبوع] ابن الترکمانی حنفی کی کتاب الجوہرالنقی کا مکمل رد ہے۔
(۲) تخریج ما قال الترمذی: وفی الباب [غیر مطبوع] (۳) رش السحاب فیما ترک الشیخ (عبدالرحمٰن المبارکفوری) فی الباب [مطبوع] (۴) تخریج وتعلیق علیٰ کتاب القراءۃ للبیہقی [غیر مطبوع] (۵) المعجم الصغیر لابی یعلیٰ الموصلی، تخریج وتعلیق [غیر مطبوع] (۶) فہرس الاصحاب الذین ذکرھم الترمذی تحت قولہ: وفی الباب [مطبوع] (۷) رجال کتب القراءۃ للبیہقی [غیر مطبوع] (۸) تعلیق جزء رفع الیدین للبخاری [مطبوع] (۹) تعلیق جزء القراءۃ للبخاری [مطبوع] (۱۰) تعلیق فتح الغفور فی وضع الایدی علی الصدور [مطبوع] تفصیل کے لئے دیکھئے ''مولانا سلطان محمود محدث جلالپوری'' (ص ۲۱۶ تا ۲۲۱)

وفات: آپ نے اپنے شیخ مولانا سلطان محمود محدث جلالپوری رحمہ اللہ کی وفات کے تقریباً ایک سال بعد چھہتر (۷۶) سال کی عمر میں اپنے آبائی گاؤں بستی بلوچاں داندی میں ۲۴ رجب ۱۴۱۷ھ بمطابق ۴ دسمبر ۱۹۹۶ء کو وفات پائی۔ آپ کی نمازِ جنازہ مشہور جلیل القدر سلفی عالم مولانا محمد رفیق اثری حفظہ اللہ نے پڑھائی۔

تحدیثِ نعمت: راقم الحروف کو آپ سے استفادہ کا موقع استاذ محترم شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کے مکتبہ راشدیہ، نیو سعید آباد میں ملا۔ آپ نے مجھے سندِ حدیث اور اس کی اجازت اپنے دستخط کے ساتھ ۱۳ صفر ۱۴۰۸ھ کو مرحمت فرمائی۔ آپ مولانا ابوتراب عبدالتواب الملتانی رحمہ اللہ سے اور وہ سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ رحمهم الله أجمعين (حافظ زبیر علی زئی)

احسن الحدیث

حافظ ندیم ظہیر

ازواج النبی ﷺ کا نکاح اور حق مہر

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَامَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۟ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَافَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ لِكَیْلَا یَكُوْنَ عَلَیْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴾

اے نبی! ہم نے آپ پر آپ کی وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جن کے حق مہر آپ ادا کر چکے ہیں اور وہ کنیزیں بھی جو آپ کے قبضے میں ہیں جو اللہ نے آپ کو غنیمت کے مال سے دی ہیں۔ نیز آپ کے چچا، پھوپھیوں، ماموں اور خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ نیز وہ مسلمان عورت بھی جو اپنے آپ کو نبی کے لئے ہبہ کر دے اور نبی اس کو نکاح میں لینا چاہے یہ رعایت صرف آپ کے لئے ہے دوسرے مسلمانوں کو نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم نے مومنوں پر ان کی بیویوں اور مقبوضہ کنیزوں کے بارے میں کیا فرض کیا ہے۔ (اور آپ کو یہ رعایت اس لئے ہے) تا کہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ [الاحزاب: ۵۰]

فقہ القرآن:

درج بالا آیت میں ایک اہم مسئلہ کی وضاحت ہے جو کہ درج ذیل ہے:

☆ شرعی نکاح کے بعد جن عورتوں کے حق مہر ادا کر دیئے جائیں وہ حلال ہیں۔

☆ لونڈیاں (کنیزیں) جو غنیمت کے طور پر حاصل ہوں وہ بھی حلال ہیں۔

☆ چچا، پھوپھیوں وغیرہ کی بیٹیوں سے شادی بلا شک وشبہ جائز ہے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''عیسائی اس سلسلے میں افراط کا شکار ہیں۔'' [ابن کثیر ۵/۱۹۵]

☆ جو عورتیں اپنے آپ کو ہبہ کر دیں اور یہ صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے وگرنہ عام

لوگوں کے لئے وہی اصول ہے کہ حق مہر، ولی اور گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہے۔

☆ عام لوگوں کے لئے چار شادیوں کی اجازت ہے جبکہ نبی ﷺ کی اس میں تخصیص ہے۔

☆......☆......☆